

فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ

ماہنامہ
جہلم

السنة

شمارہ نمبر
39

مفر 1433ھ، برطانیہ جنوری 2012ء

مدیر

غلام مصطفیٰ طاہر

• اللہ تعالیٰ عرش پر ہے!

• شراب خانہ خراب اور فتنہ خن!

• طلال جاویدوں کا پیشاب! قسط نمبر 4

• سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے منسوب ایک جھوٹ!

• حدیث ”اولاک“ کی استنادی حیثیت!

• کیا مقتدری سمیع اللہ یعنی حیلہ کبھی؟



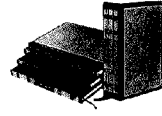
زادہ تخصص و تحقیق، جہلم، پاکستان





غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

اللہ تعالیٰ عرش پر ہے۔



اہل سنت والجماعت کا اس عقیدے پر اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے، ہر جگہ موجود نہیں۔ اہل سنت والجماعت کی مخالفت کرتے ہوئے معبد بن عبد اللہ جہنی (م: ۸۰ھ)، عبد اللہ بن اباض اباضی (م: ۸۶ھ)، غیلان بن مسلم دمشقی (م: ۱۰۵ھ)، واصل بن عطاء بصری (م: ۱۳۱ھ)، عمر بن عبید بصری (م: ۱۴۳ھ) اور حسین بن منصور حلاج (م: ۳۰۹ھ) کی ذریت یہ عقیدہ رکھتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ ہے، حالانکہ یہ باطل عقیدہ ہے جو کہ قرآن و سنت اور اجماع و فطرت سے متصادم ہے۔

عرش پر مستوی ہونا اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ وہ عرش پر اس طرح بلند ہے جیسا اس کی شان و عظمت کو لائق ہے۔ استواء تو معلوم ہے مگر اس کی کیفیت مجہول ہے۔ صفات باری تعالیٰ کے بارے میں اہل سنت والجماعت کا اتفاقی و اجماعی اصول یہ ہے:

إثبات ما أثبتته الله لنفسه في كتابه ، أو أثبتته له رسوله صلى الله عليه وسلم من غير تحريف ولا تعطيل ، ومن غير تكييف ولا تمثيل .

”اللہ تعالیٰ نے اپنے بارے میں جو صفات اپنی کتاب میں بیان کی ہیں یا اس کے رسول ﷺ نے ثابت کر دی ہیں ان کا اثبات کیا جائے گا، اس سلسلے میں تحریف و تعطیل سے کام نہیں لیا جائے گا نہ ان صفات کی کوئی کیفیت یا تمثیل بیان کی جائے گی۔“

(عقيدة السلف أصحاب الحديث للصابوني، ص: ۴)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اس بارے میں کیا خوب فرمایا ہے کہ:

إِنَّا عَلَى أَصْلٍ صَحِيحٍ وَعَقْدٍ مَتِينٍ مِنْ أَنَّ اللَّهَ تَقَدَّسَ إِسْمُهُ لَا مِثْلَ لَهُ ، وَأَنَّ إِيْمَانَنَا بِمَا ثَبَتَ مِنْ نَعْوَتِهِ كإِيْمَانِنَا بِذَاتِهِ الْمَقْدَسَةِ ، إِذِ الصِّفَاتُ تَابِعَةٌ لِلْمَوْصُوفِ ، فَنَعْقِلُ وَجُودَ الْبَارِي وَنَمَيِّزُ ذَاتَهُ الْمَقْدَسَةَ عَنِ الْأَشْبَاهِ مِنْ غَيْرِ أَنْ نَتَعَقَّلَ الْمَاهِيَةَ ،



فكذلك القول في صفاته نؤمن بها ونعقل وجودها ونعلمها في الجملة من غير أن نتعقلها أو نشبهها أو نكيّفها أو نمثّلها بصفات خلقه ، تعالى الله عن ذلك علواً كبيراً . ”هم اس صحیح دین اور مضبوط عقیدے پر قائم ہیں کہ کائنات میں اللہ تعالیٰ کی کوئی مثال نہیں، نیز اللہ تعالیٰ کی جو صفات (قرآن و حدیث سے) ثابت ہیں، ان پر ایمان لانا اتنا ہی ضروری ہے جتنا اس کی ذات مقدسہ پر ایمان لانا۔ کیونکہ صفات موصوف کی تابع ہوتی ہیں۔ چنانچہ جس طرح ہم بغیر کیفیت کو ذہن میں لائے باری تعالیٰ کے وجود اور ذات پر ایمان رکھتے ہیں اور اسے دوسروں سے ممتاز کرتے ہیں، بعینہ یہی معاملہ اس کی صفات کے بارے میں ہے۔ ہم ان سب پر ایمان رکھتے ہیں اور ان کے وجود کو بغیر کسی مخلوق سے تشبیہ دیے اور بغیر کیفیت بیان کیے اور بغیر مثال دیے کے تسلیم کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تشبیہ و تمثیل سے بہت بلند ہے۔“ (العلو للعلی الغفار للذہبی، ص: ۱۳)

امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ (۲۲۳-۳۱۱ھ) فرماتے ہیں :

قد ذكرنا استواء ربنا على العرش في الباب قبل ، فاسمعوا الآن ما أتلو عليكم من كتاب ربنا الذي هو مسطور بين الدفتين ، مقروء في المحاريب والكتائب ، مما هو مصرّح في التنزيل أنّ الربّ جلّ وعلا في السماء ، لا كما قالت الجهميّة المعطّلة : إنّ في أسفل الأرضين ، فهو في السماء ، عليهم لعائن الله التابعة ، قال الله تعالى : ﴿أَمِنْتُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ أَنْ يَخْسِفَ بِكُمْ الْأَرْضَ﴾ ، وقال الله تعالى : ﴿أَمِنْتُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ أَنْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا﴾ ، أفليس قد أعلمنا يا ذوى الحجا خالق السموات والأرض وما بينهما في هاتين الآيتين أنّه في السماء ، وقال عزّ وجلّ : ﴿إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ﴾ ، أفليس العلم محيطا يا ذوى الحجا والألباب أنّ الربّ جلّ وعلا فوق من يتكلّم بالكلمة الطيّبة ، فتصعد إلى الله كلمته ، لا كما زعمت المعطّلة الجهميّة أنّه تهبط إلى الله الكلمة الطيّبة كما تصعد إليه ، ألم تسمعوا يا طلاب



العلم قوله تبارك وتعالى لعيسى ابن مريم : ﴿يَا عِيسَى إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ﴾ ، إنما يرفع الشيء من أسفل إلى أعلا ، لا من أعلا إلى أسفل ، وقال الله عز وجل : ﴿بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ﴾ ، ومحال أن يهبط الإنسان من ظهر الأرض إلى بطنها ، أو إلى موضع أخفض منه وأسفل ، فيقال : رفعه الله إليه لأن الرفعة في لغة العرب الذين بلغتهم خطوبنا لا تكون إلا من أسفل إلى أعلى وفوق ، ألم تسمعوا قول خالقنا جلّ وعلا يصف نفسه : ﴿وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ﴾ ، أو ليس العلم محيطا أن الله فوق جميع عبادته من الجنّ والإنس والملائكة الذين هم سكّان السموات جميعا ، أو لم تسمعوا قول الخالق البارئ : ﴿وَلِلَّهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مِنْ دَابَّةٍ وَالْمَلَائِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ﴾ ☆ يخافون ربهم من فوقهم ويفعلون ما يؤمرون ، فأعلمنا الجليل جلّ وعلا في هذه الآية أيضا أن ربنا فوق ملائكته وفوق ما في السموات وما في الأرض من دابة وأعلمنا أن ملائكته يخافون ربهم الذي فوقهم ، والمعطلة تزعم أن معبودهم تحت الملائكة ، ألم تسمعوا قول خالقنا : ﴿يُدَبِّرُ الْأَمْرَ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ إِلَيْهِ﴾ ، أليس معلوما في اللغة السائرة بين العرب التي خوطبنا بها وبلسانهم نزل الكتاب أن تدبير الأمر من السماء إلى الأرض إنما يدبره المدبّر ، وهو في السماء لا في الأرض ، كذلك مفهوم عندهم أن المعارج المصاعد ، قال الله تعالى : ﴿تَعْرُجُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ إِلَيْهِ﴾ ، وإنما يعرج الشيء من أسفل إلى أعلى وفوق ، لا من أعلى إلى دون وأسفل ، فتفهموا لغة العرب لا تغالطوا ، وقال جلّ وعلا : ﴿سَبِّحْ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى﴾ ، فالأعلى مفهوم في اللغة أنه أعلى كلّ شيء ، وفوق كلّ شيء ، والله قد وصف نفسه في غير موضع من تنزيله ووحيه وأعلمنا أنه العلي العظيم ، أفليس العلي يا ذوى الحجا ما يكون عليا ، لا كما



تزعّم المعطّلة الجهميّة أنّه أعلى وأسفل ووسط ومع كلّ شيء وفي كلّ موضع من أرض وسماء وفي أجواف جميع الحيوان ، ولو تدبّروا آية من كتاب اللّٰه ووقفهم اللّٰه لفهمها لعقلوا أنّهم جهال لا يفهمون ما يقولون ، وبان لهم جهل أنفسهم وخطأ مقالتهم ، وقال اللّٰه تعالى لَمَّا سَأَلَهُ كَلِيمَهُ مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ أَنْ يَرِيَهُ يَنْظُرُ إِلَيْهِ ، قَالَ : ﴿لَنْ تَرَانِي وَلَكِنْ انْظُرْ إِلَى الْجَبَلِ فَإِنْ اسْتَقَرَّ مَكَانَهُ فَسَوْفَ تَرَانِي فَلَمَّا تَجَلَّى رَبُّهُ لِلْجَبَلِ جَعَلَهُ دَكًّا﴾ ، أفليس العلم محيطاً يا ذوى الأبواب أنّ اللّٰه عزّ وجلّ لو كان في كلّ موضع ومع كلّ بشر وخلق كما زعمت المعطّلة لكان متجلّياً لكلّ شيء ، وكذلك جميع ما في الأرض لو كان متجلّياً لجميع أرضه سهلها ووعرها وجبالها وبراريها ومفاوزها ومدنها وقراها وعمرانها وخرابها وجميع ما فيها من نبات وبناء لجعلها دكّاً كما جعل اللّٰه الجبل الذى تجلّى له دكّاً ، قال اللّٰه تعالى : ﴿فَلَمَّا تَجَلَّى رَبُّهُ لِلْجَبَلِ جَعَلَهُ دَكًّا﴾ .

”ہم اس سے پہلے باب میں اپنے رب کے عرش پر مستوی ہونے کا بیان کر چکے ہیں۔ اب وہ آیات سنیں جو میں آپ کو ہمارے رب کی اس کتاب سے پڑھ کر سنا رہا ہوں جو کتابی صورت میں لکھی ہوئی ہے اور منبر و محراب پر پڑھی جاتی ہے۔ اس میں بڑی وضاحت سے یہ بات درج ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات آسمانوں سے اوپر ہے۔ جہمیہ معطلہ کا یہ کہنا غلط ہے کہ وہ سب زمینوں کے نیچے بھی ہے اور آسمانوں کے اوپر بھی۔ جہیوں پر اللہ تعالیٰ کی مسلسل لعنتیں برسیں۔ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿أَأَمِنْتُمْ مِّنْ فِي السَّمَاءِ أَنْ يَخْسِفَ بِكُمُ الْأَرْضَ﴾ (الملک: ۱۶) (کیا تم اس ذات سے بے خوف ہو گئے ہو جو آسمانوں کے اوپر ہے کہ کہیں وہ تمہیں زمین میں نہ دھنسا دے؟) ، نیز فرمایا: ﴿أَمْ أَمِنْتُمْ مِّنْ فِي السَّمَاءِ أَنْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا﴾ (الملک: ۱۷) (یا تم اس ذات سے بے خوف ہو گئے ہو جو آسمانوں کے اوپر ہے کہ کہیں وہ تم پر پتھروں کی بارش نہ کر دے؟) (صاحب شعور! کیا آسمان و زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ، ان سب کے خالق نے ان دو آیات میں ہمیں یہ بات نہیں



بتا دی کہ وہ آسمانوں کے اوپر ہے۔ خود اسی کا فرمان ہے: ﴿إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ﴾ (فاطر: ۱۰) (اسی کی طرف پاکیزہ کلمات چڑھتے ہیں اور نیک عمل پاکیزہ کلمات کو بلند کرتا ہے)۔ اربابِ دانش! کیا اس آیت سے یہ بات معلوم نہیں ہو جاتی کہ اللہ عزوجل پاکیزہ کلمات ادا کرنے والے شخص سے اوپر ہے؟ اگر اللہ تعالیٰ اوپر ہے تو پھر ہی اس کی طرف پاکیزہ کلمات چڑھیں گے۔ جہمیہ معطلہ کا یہ کہنا سراسر غلط ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی طرف پاکیزہ کلمات چڑھتے ہیں، اسی طرح اس کی طرف نازل بھی ہوتے ہیں (یعنی اللہ تعالیٰ ہر جگہ ہے، نعوذ باللہ!)۔ طالبِ علم حضرات! کیا آپ نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں سنا جو اس نے عیسیٰ علیہ السلام سے فرمایا تھا کہ: ﴿يَا عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ خُذْ هَذَا الصَّلَافَ الَّذِي فِي يَدَيْكَ﴾ (آل عمران: ۵۵) (اے عیسیٰ! میں تجھے پورا پورا لینے والا ہوں اور اپنی طرف اٹھانے والا ہوں)۔ کیا یہ بات حقیقت نہیں کہ کسی چیز کا چڑھنا صرف نیچے سے اوپر کی طرف ہی ہو سکتا ہے، اوپر سے نیچے کی طرف چڑھا نہیں جا سکتا؟ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ﴾ (النساء: ۱۵۸) (بلکہ اللہ نے عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی طرف اٹھا لیا)۔ یہ بات ممکن ہی نہیں کہ کوئی شخص زمین کے اوپر سے نیچے کی طرف جائے یا اونچی جگہ سے نیچی کی طرف جائے تو کہہ دیا جائے کہ اسے اللہ نے اوپر اٹھا لیا ہے کیونکہ عربی زبان جس کے ذریعے (قرآن کریم میں) ہمیں مخاطب کیا گیا ہے، اس میں اٹھنا ہمیشہ نیچے سے اوپر کی طرف ہوتا ہے۔ کیا آپ نے ہمارے خالق عزوجل کا یہ فرمان نہیں سنا کہ اس نے اپنے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ﴾ (الأنعام: ۱۸) (اور وہ اپنے بندوں کے اوپر ہے اور ان پر غالب ہے)۔ کیا اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ زمین و آسمان میں رہنے والے اپنے تمام بندوں، یعنی جنوں، انسانوں، فرشتوں سے اوپر اور بلند ہے۔ کیا آپ نے باری تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں سنا کہ: ﴿وَلِلَّهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مِنْ ذَاتَةٍ وَالْمَلَائِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ﴾ (الأنعام: ۱۸) (اور زمین و آسمان و زمین میں جو چوپائے اور فرشتے



ہیں، وہ سب اللہ ہی کے لیے سجدہ کرتے ہیں اور تکبر نہیں کرتے۔ وہ اپنے اوپر سے اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور وہی کرتے ہیں جو ان کو حکم دیا جاتا ہے۔ اللہ رب العزت نے ہمیں اس آیتِ کریمہ میں بتایا ہے کہ وہ اپنے فرشتوں اور آسمان وزمین کے تمام جانداروں سے اوپر اور بلند ہے۔ اس نے ہمیں یہ بھی بتا دیا ہے کہ اس کے فرشتے اپنے اس رب سے ڈرتے ہیں جو ان کے اوپر ہے۔ اس کے برعکس معطلہ کا دعویٰ ہے کہ ان کا معبود فرشتوں سے نیچے ہے۔ کیا آپ نے ہمارے خالق کا یہ فرمان نہیں سنا کہ: ﴿يَذُبُّ الْأُمُورَ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ إِلَيْهِ﴾ (السجدة: ۵) (وہ آسمانوں سے زمین کی طرف معاملات کی تدبیر کرتا ہے، پھر وہ معاملہ اس کی طرف چڑھتا ہے)۔ کیا وہ لغتِ عرب جو معروف ہے اور جس میں قرآنِ کریم نازل ہوا ہے، اس سے یہ بات عیاں نہیں ہو جاتی کہ معاملات کی تدبیر اللہ تعالیٰ آسمانوں سے زمین کی طرف کرتا ہے اور وہ آسمانوں کے اوپر ہے، زمین میں نہیں؟ عربوں کے ہاں عروج کا مادہ اوپر جانے اور چڑھنے کے معنی میں ہی ہوتا ہے۔ کوئی چیز ہمیشہ نیچے سے اوپر کی طرف ہی چڑھتی ہے، اوپر سے نیچے کی طرف نہیں۔ لغتِ عرب کی معرفت حاصل کر لیں تاکہ مغالطے میں نہ پڑیں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ بھی فرمان ہے: ﴿سَبِّحْ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى﴾ (الأعلى: ۱) (آپ اپنے اعلیٰ رب کے نام کی تسبیح بیان کریں)۔ لغتِ عرب میں کسی چیز کے اعلیٰ ہونے کا معنی و مفہوم یہ ہوتا ہے کہ وہ سب سے بلند اور اوپر ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں کئی مقامات پر اپنے آپ کو العلیٰ اور العظیم ہونے سے متصف کیا ہے۔ اربابِ ہوش! کیا العلیٰ وہی نہیں ہوتا جو بلند ہو؟ اس سب کے باوجود جہمیہ معطلہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اوپر بھی ہے اور نیچے بھی، درمیان میں بھی ہے اور ہر چیز کے ساتھ بھی، بلکہ زمین و آسمان میں ہر جگہ ہے، تمام جانداروں کے پیٹ میں بھی ہے (نعوذ باللہ!)۔ حالانکہ اگر وہ قرآنِ کریم کی ایک بھی آیت پر غور کر لیتے اور اللہ تعالیٰ اس کو سمجھنے کی توفیق بھی ان کو مرحمت فرماتا تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ وہ پرلے درجے کے جاہل ہیں اور اپنی زبان سے نکلنے والی باتوں کو بھی نہیں سمجھ پاتے،



ان کے سامنے اپنی جہالت اور اپنے اقوال کی غلطی عیاں ہو جاتی۔ اللہ تعالیٰ سے جب موسیٰ کلیم اللہ ﷺ نے مطالبہ کیا کہ وہ اسے دیکھنا چاہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿لَنْ تَرَانِي وَلَكِنْ انْظُرْ إِلَى الْجَبَلِ فَإِنِ اسْتَفْرَّ مَكَانَهُ فَسَوْفَ تَرَانِي فَلَمَّا تَجَلَّى رَبُّهُ لِلْجَبَلِ جَعَلَهُ دَكًّا﴾ (الأعراف: ۱۴۳) (آپ مجھے نہیں دیکھ سکتے، ہاں اس پہاڑ کی طرف دیکھو، اگر وہ اپنی جگہ برقرار رہا تو آپ مجھے دیکھ سکیں گے۔ جب ان کے رب نے پہاڑ پر اپنی تجلی ڈالی تو وہ ریزہ ریزہ ہو گیا)۔ اصحاب عقل و شعور! کیا یہ بات معلوم نہیں ہوتی کہ اگر معطلہ کے کہنے کے مطابق اللہ تعالیٰ ہر جگہ ہوتا اور ہر بشر اور ہر مخلوق کے ساتھ ہوتا تو اس کی تجلی ہر چیز پر اور زمین کی تمام مخلوقات پر پڑتی۔ اگر اللہ تعالیٰ ساری زمین یعنی میدانوں، جنگلات، پہاڑوں، براعظموں، ریگستانوں، شہروں، بستیوں، آبادیوں، ویرانوں، تمام نباتات اور تمام عمارتوں پر تجلی کرتا تو سب کا سب اسی طرح ریزہ ریزہ ہو جاتا جس طرح وہ پہاڑ (کوہ طور) ریزہ ریزہ ہوا تھا جس پر اللہ تعالیٰ نے اپنی تجلی ڈالی تھی۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿فَلَمَّا تَجَلَّى رَبُّهُ لِلْجَبَلِ جَعَلَهُ دَكًّا﴾ (الأعراف: ۱۴۳) (جب ان کے رب نے پہاڑ پر تجلی ڈالی تو اسے ریزہ ریزہ کر دیا)۔ (کتاب التوحید لابن خزيمة: ۲۵۴-۲۵۸)

ایک شبہ اور اس کا ازالہ:

فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾ (الحديد: ۳)

”وہ اول بھی ہے اور آخر بھی، ظاہر بھی ہے اور باطن بھی اور وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔“

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «اللَّهُمَّ أَنْتَ الْأَوَّلُ فَلَيْسَ قَبْلَكَ شَيْءٌ، وَأَنْتَ الْآخِرُ فَلَيْسَ بَعْدَكَ شَيْءٌ، وَأَنْتَ الظَّاهِرُ فَلَيْسَ فَوْقَكَ شَيْءٌ، وَأَنْتَ الْبَاطِنُ فَلَيْسَ دُونَكَ شَيْءٌ»



”اے اللہ تو اوّل ہے، تجھ سے پہلے کوئی چیز نہیں تھی اور تو آخر ہے، تیرے بعد کوئی چیز نہ ہوگی، تو ظاہر (بلند) ہے، تجھ سے اوپر کوئی چیز نہیں اور تو باطن ہے تجھ سے پوشیدہ کوئی چیز نہیں۔“ (صحیح مسلم: ۲۷۱۳)

امام ابو بکر آجری رحمہ اللہ (م: ۳۶۰ھ) فرماتے ہیں:

وَمَا يَحْتَجُّ بِهِ الْحَلُولِيَّةُ مِمَّا يَلْبَسُونَ بِهِ عَلَى مَنْ لَا عِلْمَ مَعَهُ ، يَقُولُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ : ﴿هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ﴾ (الحديد: ۳) ، وَقَدْ فَسَّرَ أَهْلُ الْعِلْمِ هَذِهِ الْآيَةَ : هُوَ الْأَوَّلُ قَبْلَ كُلِّ شَيْءٍ مِنْ حَيَاةٍ وَمَوْتٍ ، وَالْآخِرُ بَعْدَ كُلِّ شَيْءٍ بَعْدَ الْخَلْقِ ، وَهُوَ الظَّاهِرُ فَوْقَ كُلِّ شَيْءٍ ، يَعْنِي مَا فِي السَّمَاوَاتِ ، وَهُوَ الْبَاطِنُ دُونَ كُلِّ شَيْءٍ يَعْلَمُ مَا تَحْتَ الْأَرْضِينَ ، وَدَلَّ عَلَى هَذَا آخِرُ الْآيَةِ ﴿وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾ (الحديد: ۳) .

”حلولی عقیدے کے حامل لوگ ایک دلیل جس سے وہ جاہل لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں، یہ آیت کریمہ ہے: ﴿هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ﴾ (الحديد: ۳) (وہ اوّل ہے، آخر ہے، ظاہر ہے اور باطن ہے)۔ حالانکہ اہل علم نے اس آیت کریمہ کی تفسیر یہ کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اوّل ہونے سے مراد اس کا ہر چیز، یعنی زندگی اور موت سے پہلے ہونا ہے اور اس کے آخر ہونے سے مراد تمام مخلوقات کے ختم ہونے کے بعد باقی رہنا ہے۔ اس کے ظاہر ہونے سے مراد آسمانوں کے ہر مخلوق سے اوپر اور بلند ہونا ہے اور اس کے باطن ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ زمینوں کے نیچے موجود چیزوں کو بھی خوب جانتا ہے۔ اس کی دلیل اسی آیت کا آخری ٹکڑا ہے، فرمان الہی ہے: ﴿وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾ (الحديد: ۳) (اور وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے)۔“

(الشریعة للآجری: ۳۰۹، ۳۱۰)





حدیث ”لولاک“ کی استنادی حیثیت!

ابوالحسن محمدی

گمراہ صوفیوں نے ایک جھوٹی اور من گھڑت روایت مشہور کر رکھی ہے کہ کائنات کی تخلیق رسول اکرم ﷺ کی وجہ سے ہوئی۔ ذخیرہ حدیث میں موجود اس کی تمام سندوں کا تفصیلی جائزہ اور ان پر منصفانہ تبصرہ پیش خدمت ہے۔ قارئین کرام غور سے اس مضمون کا مطالعہ فرمائیں اور فیصلہ خود کریں کہ کیا ایسی روایات کو دین اسلام کا نام دیا جاسکتا ہے اور کیا ایسی روایات کو اپنی تائید میں پیش کرنے والے لوگ اسلام اور مسلمانوں کے خیر خواہ ہو سکتے ہیں؟ ملاحظہ فرمائیے:

روایت نمبر ①: سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

«وَلَوْلَاكَ يَا مُحَمَّدُ! مَا خَلَقْتُ الدُّنْيَا»

”اے محمد (ﷺ)! اگر آپ نہ ہوتے تو میں دنیا کو تخلیق نہ کرتا۔“

(تاریخ ابن عساکر: ۵۱۸/۳، الموضوعات لابن الجوزی: ۲۸۸/۱، ۲۸۹)

تبصرہ: یہ باطل روایت ہے۔ حافظ ابن الجوزی رحمہ اللہ نے اسے

”موضوع“ (من گھڑت) قرار دیا ہے۔ حافظ سیوطی نے بھی ان کے حکم کو برقرار رکھا ہے۔

(الآلای المصنوعة للسيوطی: ۲۷۲/۱)

اس روایت کے باطل ہونے کی کئی وجوہات ہیں:

① محمد بن عیسیٰ بن حیان مدائنی روای جمہور محدثین کرام کے نزدیک ”ضعیف“

(ناقابل اعتبار) ہے۔

امام دارقطنی رحمہ اللہ نے اسے ”متروک الحدیث“ قرار دیا ہے۔ (سوالات الحاکم: ۱۷۱)



نیز امام موصوف نے اسے ”ضعیف“ بھی کہا ہے۔

(العلل للدارقطنی: ۳۴۷/۵، سنن الدارقطنی: ۷۸/۱)

امام ابوالاحمد الحاکم فرماتے ہیں: حَدَّثَ عَنْ مَشَايِخِهِ مَا لَمْ يَتَابِعْ عَلَيْهِ .

”اس نے اپنے اساتذہ سے ایسی روایات بیان کی ہیں جن پر متابعت نہیں کی گئی۔“

(تاریخ بغداد للخطیب البغدادی: ۳۹۹/۲، وسندہ صحیح)

حافظ لاکائی رحمہ اللہ بھی اسے ”ضعیف“ کہتے ہیں۔ (تاریخ بغداد للخطیب: ۳۹۸/۲)

امام حاکم رحمہ اللہ نے اسے ”متروک“ قرار دیا ہے۔ (میزان الاعتدال للذہبی: ۶۷۸/۳)

حافظ ابن الجوزی فرماتے ہیں کہ یہ ”ضعیف“ راوی ہے۔ (الموضوعات: ۲۸۹/۱)

صرف امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اسے ثقات (۱۳۳/۹) میں ذکر کیا ہے اور برقانی نے

اسے ثقہ کہا ہے۔ (تاریخ بغداد للخطیب: ۳۹۸/۲)

معلوم ہوا کہ اس کا ضعف ہی رائج ہے۔

② محمد بن صباح راوی اگر کوئی ہے تو امام ابوحاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ليس بقوي . ”یہ مضبوط راوی نہیں۔“ (الجرح والتعديل لابن أبي حاتم: ۲۹۰/۷)

③ ابراہیم بن ابی حبیہ بھی سخت ”ضعیف“ راوی ہے۔

اس کو امیر المؤمنین فی الحدیث امام بخاری رحمہ اللہ نے ”منکر الحدیث“ قرار دیا ہے۔

(التاریخ الكبير للبخاری: ۲۸۳/۱)

امام دارقطنی رحمہ اللہ نے اسے کتاب الضعفاء والمترکین (۱۷) میں ذکر کیا ہے۔

نیز انہوں نے اسے ”متروک“ بھی قرار دیا ہے۔ (میزان الاعتدال للذہبی: ۷۹/۱)

امام نسائی رحمہ اللہ نے اسے ”ضعیف“ کہا ہے۔

(الکامل فی ضعف الرجال لابن عدی: ۲۳۸/۱، وسندہ حسن)

امام ابوحاتم رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ ”منکر الحدیث“ راوی ہے۔

(الجرح والتعديل لابن أبي حاتم: ۱۴۹/۲، ت: ۴۹۱)



امام علی بن مدینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لیس بشيء . ”یہ فضول آدمی تھا“ (لسان المیزان لابن حجر: ۵۲/۱)

امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یروی عن جعفر بن محمد وهشام مناکیر وأوابد ، يسبق إلى القلب أنه المتعمد بها .

”یہ جعفر بن محمد اور ہشام سے منکر اور من گھڑت روایات بیان کرتا ہے۔ دل کو لگتا یہی ہے کہ اس نے خود ایسی روایات گھڑی ہیں۔“ (المجروحین لابن حبان: ۱۰۴، ۱۰۳/۱)

حافظ ابن الجوزی نے بھی اسے ”ضعیف“ قرار دیا ہے۔ (الموضوعات: ۱/۲۸۹)

البتہ امام یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ نے اسے شیخ ثقة کبیر (الجرح والتعديل: ۱۴۹/۲) کہہ دیا ہے لیکن ان کا یہ قول جمہور محدثین کی جرح کے مقابلے میں ناقابل التفات ہے۔

③ خلیل بن مرة نامی راوی بھی جمہور محدثین کرام کے نزدیک ”ضعیف“ ہے۔

اس کے بارے میں امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ ”منکر الحدیث“ راوی ہے۔

(سنن الترمذی: ۲۶۶۶، ۳۴۷۴)

نیز فرماتے ہیں: فیه نظر . (التاریخ الکبیر للبخاری: ۱۹۹/۳)

امام ابو حاتم رازی رحمہ اللہ نے اسے حدیث میں غیر قوی قرار دیا ہے۔

(الجرح والتعديل لابن أبي حاتم: ۳/۳۷۹)

امام نسائی رحمہ اللہ نے بھی اسے ”ضعیف“ قرار دیا ہے۔ (الضعفاء والمتروکین: ۱۷۸)

امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے بھی ”ضعیف“ کہا ہے۔

(المجروحین لابن حبان: ۲۸۶/۱، وسنده صحيح)

امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں: منکر الحدیث عن المشاهیر ،

کثیر الروایة عن المجاهیل . ”یہ مشہور راویوں سے منکر احادیث بیان کرتا

ہے، اس کی زیادہ تر روایات مجہول راویوں سے ہیں۔“ (المجروحین لابن حبان: ۲۸۶/۱)



حافظ ابن حجر اور حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے بھی اسے ”ضعیف“ ہی قرار دیا ہے۔ چنانچہ جمہور کی تضعیف کے مقابلے میں امام ابن شاہین وغیرہ کی توثیق مفید نہیں۔

⑤ اس روایت کی سند میں یحییٰ نامی راوی سے مراد اگر یحییٰ ابن ابی صالح سمان

ہے تو وہ مجہول ہے۔ (تقریب التہذیب لابن حجر: ۷۵۶۹)

امام ابن حبان رحمہ اللہ کے علاوہ کسی نے اسے ثقہ قرار نہیں دیا۔

امام ابو حاتم رازی رحمہ اللہ اس کے بارے میں فرماتے ہیں: شیخ مجہول، لا

أعرفه. ”یہ کوئی نامعلوم شیخ ہے، میں اسے نہیں پہچانتا۔“ (الجرح والتعديل: ۱۵۸/۹)

اور اگر یہ یحییٰ بن ابی حبیہ ابو جناب کلبی ہے تو پھر ”ضعیف“ ہے اور ”تدلیس تسویہ“ کا

مرتب ہے۔ علامہ زلیعی حنفی لکھتے ہیں: وأكثَرُ النَّاسِ عَلَى تَضْعِيفِ الْكَلْبِيِّ.

”اکثر محدثین کرام نے کلبی کو ضعیف قرار دیا ہے۔“ (نصب الراية للزيلعي: ۲۳/۲)

لہذا یہ سند پانچ وجہ سے باطل ہے۔ اس سے اہل باطل ہی دلیل لے سکتے ہیں۔

روایت نمبر ②: سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً مروی ہے:

«أَتَانِي جَبْرِيلُ فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ! لَوْلَاكَ لَمَّا خُلِقَتِ الْجَنَّةُ، وَلَوْلَاكَ

مَا خُلِقَتِ النَّارُ» ”میرے پاس جبریل آئے اور کہنے لگے: اے

محمد (ﷺ)! اگر آپ نہ ہوتے تو جنت اور دوزخ کو پیدا نہ کیا جاتا۔“

(سلسلة الأحاديث الضعيفة للآلباني: ۴۵۰/۱)

تبصرہ: یہ جھوٹی روایت ہے، کیونکہ:

① عبید اللہ بن موسیٰ قرشی راوی کے حالات نہیں مل سکے۔

② فضیل بن جعفر بن سلیمان راوی کی توثیق اور حالات معلوم نہیں ہوئے۔

③ عبد الصمد بن علی بن عبد اللہ راوی کی بھی توثیق نہیں ملی۔



اس کے بارے میں امام عقیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں : حدیثہ غیر محفوظ ،
ولا يعرف إلا به . ”اس کی حدیث غیر محفوظ ہے اور وہ اسی روایت کے ساتھ
معروف ہے۔“ (الضعفاء الكبير للعقيلي : ۸۴/۳)

معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت ان تینوں میں سے کسی ایک کی کارستانی ہے۔

روایت نمبر ۳ : سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ :

[أَوْحَى اللَّهُ إِلَى عِيسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ : يَا عِيسَى ! آمِنْ بِمُحَمَّدٍ وَأَمْرُ
مَنْ أَدْرَكَهُ مِنْ أُمَّتِكَ أَنْ يُؤْمِنُوا بِهِ، فَلَوْلَا مُحَمَّدٌ مَا خَلَقْتُ آدَمَ، وَلَوْلَا
مُحَمَّدٌ مَا خَلَقْتُ الْجَنَّةَ وَلَا النَّارَ، وَلَقَدْ خَلَقْتُ الْعَرْشَ عَلَى الْمَاءِ
فَاضْطَرَبَ، فَكَتَبْتُ عَلَيْهِ : لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ، فَسَكَنَ]

”اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ اے عیسیٰ! محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیے
اور حکم دیجیے کہ آپ کی امت میں سے جو لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پائیں ، وہ ان پر ایمان
لائیں۔ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو میں آدم علیہ السلام کو پیدا نہ کرتا، اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو
میں جنت اور جہنم کو پیدا نہ کرتا۔ میں نے عرش کو پانی کے اوپر پیدا کیا تو وہ ہلنے لگا۔ میں نے
اس پر لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ لکھ دیا تو وہ ٹھہر گیا۔“

(المستدرک علی الصحیحین للحاکم : ۲/۲۱۴، ۲۱۵، ح : ۴۲۲۷)

تبصرہ : یہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب ایک جھوٹی کہانی ہے کیونکہ :

① اس کا راوی عمرو بن اوس انصاری ایک نامعلوم و مجہول راوی ہے۔ اس
راوی اور اس روایت کے بارے میں حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں : یجہل حالہ ،
أتی بخبر منکر ، أخرجه الحاكم في مستدركه ، وأظنه موضوعا .



”یہ راوی مجہول الحال ہے۔ اس نے ایک منکر روایت بیان کی ہے جسے امام حاکم نے اپنی کتاب مستدرک میں ذکر کیا ہے۔ میرے خیال کے مطابق وہ روایت من گھڑت ہے۔“

(میزان الاعتدال للذہبی: ۵۲۴۶/۳، ۶۳۳۰)

② سعید بن ابی عروبہ ”مدلس“ اور ”مختلط“ راوی ہے۔

③ قتادہ بن دعامہ راوی بھی ”مدلس“ ہیں، انہوں نے سماع کی تصریح نہیں کی۔

لہذا اس قول کی سند کو امام حاکم رحمہ اللہ کا ”صحیح“ کہنا ناقابل اعتبار ہے۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے امام حاکم رحمہ اللہ کی اس بات کا رد کرتے ہوئے لکھا ہے:

أظنه موضوعا على سعيد . ”میرے خیال میں یہ سعید پر جھوٹ باندھا

گیا ہے۔“ (تلخیص المستدرک للذہبی: ۴۱۵/۲)

لسان المیزان میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسی حکم کو برقرار رکھا ہے۔

تنبیہ: طبقات الحمد ثین باصہان لابی الشیخ (۲/۲۸۷) میں عمرو بن

اوس انصاری مجہول کی متابعت سعید بن اوس انصاری نے کی ہے لیکن اس کی سند میں محمد بن عمر محارب راوی لاپتہ افراد میں سے ہے۔ لہذا اس متابعت کا کوئی فائدہ نہیں۔

روایت نمبر ③: سیدنا عمر بن خطاب رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «لَمَّا اقْتَرَفَ آدَمُ الْخَطِيئَةَ، قَالَ: يَا رَبِّ! أَسْأَلُكَ

بِحَقِّ مُحَمَّدٍ، لَمَّا غَفَرْتَ لِي، فَقَالَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ: يَا آدَمُ! وَكَيْفَ

عَرَفْتَ مُحَمَّدًا وَلَمْ أَخْلُقْهُ؟ قَالَ: لِأَنَّكَ يَا رَبِّ لَمَّا خَلَقْتَنِي بِيَدِكَ

وَنَفَخْتَ فِيَّ مِنْ رُوحِكَ رَفَعْتَ رَأْسِي، فَرَأَيْتُ عَلَى قَوَائِمِ الْعَرْشِ

مَكْتُوبًا: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ، فَعَلِمْتُ أَنَّكَ لَمْ تُضِفْ إِلَيَّ



اِسْمِكَ اِلَّا اَحَبَّ الْخَلْقِ اِلَيْكَ، فَقَالَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ : صَدَقْتَ يَا آدَمُ، اِنَّهُ لَأَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَيَّ، وَاِذْ سَأَلْتَنِي بِحَقِّهِ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكَ، وَلَوْ لَا مُحَمَّدٌ مَا خَلَقْتُكَ»
 ”جب آدم علیہ السلام نے گناہ کا ارتکاب کیا تو انہوں

نے عرض کیا: اے میرے رب! میں تجھ سے محمد (ﷺ) کے حق کے ساتھ سوال کرتا ہوں کہ مجھے معاف کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم! تو نے محمد (ﷺ) کو کیسے پہچان لیا جبکہ میں نے ابھی تک اسے پیدا ہی نہیں کیا؟ آدم نے عرض کیا: اس لیے کہ جب تو نے مجھے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور مجھ میں اپنی روح پھونکی تو میں نے اپنا سر اٹھایا اور عرش کے پایوں پر لَا اِلَهَ اِلَّا اللَّهُ، مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللَّهِ لکھا دیکھا۔ میں جان گیا کہ تو نے اپنے نام کے ساتھ اسی کا نام لکھا ہے جو مخلوق میں سے تجھے سب سے محبوب ہے۔ اللہ عزوجل نے فرمایا: اے آدم تو نے سچ کہا ہے۔ وہ ساری مخلوق میں سے مجھے زیادہ محبوب ہیں۔ چونکہ تو نے مجھ سے ان کے حق کے ساتھ مانگا ہے تو میں نے تجھے معاف کر دیا ہے۔ اگر محمد (ﷺ) نہ ہوتے تو میں تجھے پیدا نہ کرتا۔“ (المستدرک علی الصحیحین للحاکم : ۶۱۴/۲، ۶۱۵، ح : ۴۲۲۸، المعجم الصغیر للطبرانی : ۹۹۲، المعجم الاوسط للطبرانی : ۶۵۰۲، دلائل النبوة للبيهقي : ۴۸۸/۵، تاریخ ابن عساکر : ۴۳۷/۷)

تبصرہ : یہ موضوع (من گھڑت) روایت ہے۔ جب امام حاکم رحمہ اللہ نے اسے ”صحیح الاسناد“ کہا تو ان کے رد میں حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے لکھا : بل موضوع .

”بلکہ یہ روایت تو موضوع (من گھڑت) ہے۔“ (تلخیص المستدرک للذہبی : ۶۱۵/۲)

اور جب حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اسے باطل (میزان الاعتدال : ۵۰۴/۲، ت : ۴۶۰۴) کہا تو حافظ

ابن حجر رحمہ اللہ نے ان کے اس حکم کو برقرار رکھا۔ (لسان المیزان لابن حجر : ۳۵۹/۳، ۳۶۰)

حافظ بیہقی رحمہ اللہ لکھتے ہیں : وفيه من لم أعرفهم . ”اس روایت



میں کئی راوی ایسے ہیں جنہیں میں نہیں پہچانتا۔“ (مجمع الزوائد للهيثمی: ۳۵۳/۸)
حافظ سیوطی نے اس روایت کو ”ضعیف“ قرار دیا ہے۔

(مناهل الصفا فی تخریج احادیث الشفا: ۹۶)

ملا علی قاری حنفی نے بھی اسے ”ضعیف“ کہا ہے۔ (شرح الشفا للقاری: ۲۲۴/۲)
قاری محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند نے بھی اسے ”ضعیف“ کہا ہے۔

(خطبات حکیم الاسلام: ۱۲۵/۲)

غلام رسول سعیدی بریلوی صاحب نے بھی اسے ”ضعیف“ تسلیم کیا ہے۔

(شرح صحیح مسلم از سعیدی: ۵۹/۷)

اس کا راوی عبدالرحمن بن زید بن اسلم جمہور کے نزدیک ”ضعیف و متروک“ ہے۔
حافظ یثربی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: والأكثر على تضعيفه .

”جمہور محدثین کرام اس کو ضعیف کہتے ہیں۔“ (مجمع الزوائد: ۲۷/۲)

حافظ ابن ملقن رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ضعفه الكل . ”اسے سب نے

ضعیف قرار دیا ہے۔“ (البدر المنیر: ۴۵۸/۵)

اس کو امام احمد بن حنبل، امام علی بن المدینی، امام بخاری، امام یحییٰ بن معین، امام نسائی، امام ابوحاتم الرازی، امام ابوزرعہ الرازی، امام ابن سعد، امام ابن خزمہ، امام ابن حبان، امام ساجی، امام طحاوی حنفی، امام جوزجانی رحمہ اللہ وغیرہم نے ”ضعیف“ قرار دیا ہے۔

امام حاکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: روى عن أبيه أحاديث موضوعة .

”اس نے اپنے باپ سے موضوع (من گھڑت) احادیث بیان کی ہیں۔

(المدخل للحاکم: ۱۵۴)

یہ حدیث بھی عبدالرحمن بن زید بن اسلم نے اپنے باپ زید بن اسلم سے روایت کی ہے، لہذا یہ بھی موضوع (من گھڑت) ہے۔



اس کے دوسرے راوی عبد اللہ بن مسلم فہری کے بارے میں حافظ ذہبی فرماتے ہیں :
ولا أدري من ذا ؟ ”میں نہیں جانتا کہ یہ کون ہے؟“

(تلخيص المستدرک للذهبي : ٦١٥/٢)

تنبيه نمبر ① : یہی روایت اسی سند سے امام ابوبکر آجری نے اپنی کتاب الشريعة (ص ۴۷۷) میں موقوفاً بھی ذکر کی ہے۔

تنبيه نمبر ② : یہ روایت بعض الناس کو کوئی فائدہ نہیں دے گی کیونکہ یہی لوگ یہ من گھڑت روایت بھی پیش کرتے ہیں کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کا نور پیدا کیا۔ اس روایت کو صحیح ثابت کرنے پر تو اہل بدعت نے اپنا پورا زور صرف کر دیا ہے لیکن اہل حق سے ان کو منہ کی کھانا پڑی ہے۔

اگر اس نور والی روایت کو صحیح مانیں تو زیر بحث روایت باطل ہو جائے گی۔ دونوں میں سے کسی ایک کو جھوٹ ماننا ہی پڑے گا۔ زیر بحث روایت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے فرمایا کہ ابھی میں نے محمد ﷺ کو پیدا نہیں کیا تو تم نے انہیں کیسے پہچان لیا؟ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آدم علیہ السلام کی تخلیق کے وقت تک محمد ﷺ پیدا نہیں ہوئے تھے۔ اب فیصلہ بعض الناس خود ہی کر لیں کہ کس جھوٹ کو اپنانا ہے اور کس کو چھوڑنا ہے !!!

روایت نمبر ③ : سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : «لَمَّا خَلَقَ اللَّهُ آدَمَ وَنَفَخَ فِيهِ مِنْ رُوحِهِ عَطَسَ آدَمُ، فَقَالَ : الْحَمْدُ لِلَّهِ، فَقَالَ اللَّهُ : حَمْدَنِي عَبْدِي، وَعَزَّتِي وَجَلَالِي ! لَوْلَا عَبْدَانِ أُرِيدُ أَنْ أَخْلُقَهُمَا فِي دَارِ الدُّنْيَا مَا خَلَقْتُكَ، قَالَ : إِلَهِي ! فَيَكُونَانِ مِنِّي؟ قَالَ : نَعَمْ يَا آدَمُ ! اِرْفَعْ رَأْسَكَ وَانْظُرْ، فَرَفَعَ



رَأْسَهُ، فَإِذَا هُوَ مَكْتُوبٌ عَلَى الْعَرْشِ : لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ، نَبِيُّ الرَّحْمَةِ»

”جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا

کیا اور ان میں اپنی روح پھونکی تو ان کو چھینک آئی۔ انہوں نے الحمد للہ کہا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرے بندے نے میری تعریف کی ہے۔ میری عزت اور میرے جلال کی قسم! اگر دو بندوں کو دنیا میں پیدا کرنے کا ارادہ نہ ہوتا تو میں تجھے پیدا نہ کرتا۔ آدم نے عرض کیا: اے میرے الہ! کیا وہ دونوں میری ہی نسل سے ہوں گے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہاں اے آدم! سراٹھا اور دیکھ، آدم نے سراٹھایا تو عرش پر لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ، نَبِيُّ الرَّحْمَةِ لکھا ہوا تھا۔۔۔۔۔“ (المناقب للموفق الخوارزمی، ص: ۳۱۸، الجواهر السنیة فی الأحادیث القدسیة للحر العاملی: ۲۹۲، ۲۹۳)

تبصرہ: یہ جھوٹی روایت ہے کیونکہ:

- ① موفق رافضی شیعہ ہے۔ اس کی کوئی توثیق ثابت نہیں۔
 - ② ابو محمد ہارون بن موسیٰ تلکبری کی اگرچہ شیعہ کتب میں توثیق موجود ہے لیکن اہل سنت کی کتابوں میں اس کی توثیق موجود نہیں، اس کے برعکس حافظ ذہبی رحمہ اللہ اس کے بارے میں فرماتے ہیں: روایۃ للمناکیر، رافضی۔
- ”یہ کثرت سے منکر روایات بیان کرنے والا اور رافضی شخص ہے۔“

(میزان الاعتدال للذہبی: ۲۸۷/۴، ت: ۹۱۷۴)

- ③ فیحان عطار ابونصر کا کوئی اتا پتا نہیں چلا۔
- ④ رنج بن جراح راوی بھی نامعلوم ہے۔
- ⑤ سلیمان بن مہران اعمش کی ”تدلیس“ بھی موجود ہے۔
- ⑥ عبد العزیز بن عبد اللہ، جعفر بن محمد اور عبد الکریم نام کے راویوں کا تعین اور



ان کی توثیق درکار ہے۔

④ ابن شاذان کی شیعہ کتب میں تعریف موجود ہے مگر اہل سنت کی کتابوں میں ایسا کچھ نہیں ہے۔ اس کے برعکس حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اس کی ایک روایت کو جھوٹ قرار دیا ہے۔ (میزان الاعتدال للذہبی : ۴/۴۶۶)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے یہ بھی فرمایا ہے : ولقد ساق أخطب خوارزم من طريق هذا الدجال ابن شاذان ، أحاديث كثيرة باطلة سمجة ركيكة في مناقب السيد علي رضي الله عنه . ”اخطب خوارزم نے اس دجال ابن شاذان کی سند سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے مناقب میں بہت سی باطل ، بے تکی اور بے ہودہ روایات بیان کی ہیں۔“ (میزان الاعتدال : ۳/۴۶۷)

اس روایت میں اور بھی خرابیاں موجود ہیں۔

روایت نمبر ⑤ : سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں :

لَمَّا خَلَقَ اللَّهُ تَعَالَى آدَمَ وَنَفَخَ فِيهِ مِنْ رُوحِهِ عَطَسَ ، فَأَلْهَمَهُ اللَّهُ : ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ ، فَقَالَ لَهُ رَبُّهُ : يَرَحِمُكَ رَبِّكَ ، فَلَمَّا أَسْجَدَ لَهُ الْمَلَائِكَةُ تَدَاخَلَهُ الْعَجَبُ ، فَقَالَ : يَا رَبِّ ! خَلَقْتَ خَلْقًا أَحَبَّ إِلَيْكَ مِنِّي ؟ فَلَمْ يَجِبْ ، ثُمَّ قَالَ الثَّانِيَةَ ، فَلَمْ يَجِبْ ، ثُمَّ قَالَ الثَّالِثَةَ ، فَلَمْ يَجِبْ ، ثُمَّ قَالَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ لَهُ : نَعَمْ ، وَلَوْلَاهُمْ مَا خَلَقْتُكَ ، فَقَالَ : يَا رَبِّ ! فَأَرْنِيهِمْ ، فَأَوْحَى اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ إِلَى مَلَائِكَةِ الْحُجُبِ أَنْ أَرْفَعُوا الْحُجُبَ ، فَلَمَّا رَفَعَتْ إِذَا آدَمُ بِخَمْسَةِ أَشْبَاحٍ قَدَّمَ الْعَرْشَ ، فَقَالَ : يَا رَبِّ ! مَنْ هَؤُلَاءِ ؟ قَالَ : يَا آدَمُ ! هَذَا مُحَمَّدٌ نَبِيِّ ، وَهَذَا عَلِيُّ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ ابْنِ عَمِّ نَبِيِّ وَوَصِيِّهِ ، وَهَذِهِ فَاطِمَةُ ابْنَةِ نَبِيِّ ، وَهَذَانِ الْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ ابْنَا عَلِيٍّ وَوُلَدَا نَبِيِّ ، ثُمَّ قَالَ : يَا آدَمُ ! هُمْ وَلَدُكَ ، فَفَرَحَ



بذلك ، فلما اقترف الخطيئة قال : يا رب ! أسألك بمحمد وعلي وفاطمة والحسن والحسين لما غفرت لي ، فغفر الله له بهذا .

”جب اللہ تعالیٰ نے آدم کو پیدا کیا اور ان میں اپنی روح پھونکی تو انہوں نے چھینک ماری۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں الہام کیا کہ وہ الحمد للہ رب العلمین کہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تجھ پر تیرا رب رحم کرے۔ جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے انہیں سجدہ کرایا تو ان میں تکبر آیا اور انہوں نے کہا: اے میرے رب! کیا تو نے کوئی ایسی مخلوق بھی پیدا کی ہے جو تجھے مجھ سے بڑھ کر محبوب ہو؟ اللہ تعالیٰ نے کوئی جواب نہ دیا۔ انہوں نے دوسری مرتبہ یہی سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے پھر جواب نہ دیا۔ تیسری مرتبہ بھی یہی ہوا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہاں، اگر وہ نہ ہوتے تو میں تجھے بھی پیدا نہ کرتا۔ آدم نے عرض کیا: اے میرے رب! میری ان سے ملاقات کرا دے۔ اللہ تعالیٰ نے حجاب کے فرشتوں کی طرف وحی کی کہ حجاب اٹھا دو۔ جب پردے اٹھ گئے تو آدم نے دیکھا کہ عرش کے سامنے پانچ مورتیاں نظر آئیں۔ انہوں نے عرض کیا: اے میرے رب! یہ کون ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ (پہلے) میرے نبی محمد (ﷺ) ہیں، (دوسرے) امیر المومنین اور میرے نبی کے چچا زاد اور وصی علی ہیں، (تیسری) میرے نبی کی بیٹی فاطمہ ہیں اور (چوتھے، پانچویں) علی کے بیٹے اور میرے نبی کے نواسے حسن و حسین ہیں۔ پھر فرمایا: اے آدم! یہ تیری اولاد ہیں۔ اس سے آدم خوش ہو گئے۔ جب آدم نے گناہ کا ارتکاب کیا تو کہا: اے میرے رب! میں تجھ سے محمد، علی، فاطمہ، حسن اور حسین کے واسطے سوال کرتا ہوں کہ تو مجھے معاف کر دے۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف کر دیا۔“ (الیقین لعلی بن موسیٰ بن طاووس الحسینی: ۱۷۴، ۱۷۵)

تبصرہ: یہ روایت جھوٹ کا پلندا ہے اور کسی مجہول رافضی، شیعہ اور دشمن صحابہ کی کارستانی ہے۔ اس روایت میں علی بن ابراہیم قاضی اور اس کے باپ سمیت کئی



راوی بالکل مجہول اور نامعلوم ہیں۔ نیز ابو احمد جرجانی قاضی راوی بھی موجود ہے۔ اگر اس سے مراد محمد بن علی بن عبدل ہے تو وہ ”متہم بالکذب“ راوی ہے۔

(الموضوعات لابن الجوزی: ۳۴۹/۱)

اگر یہ محمد بن محمد بن مکی ہے تو وہ بھی ”ضعیف“ راوی ہے۔ اسی طرح حجاج نامی راوی بھی اس میں موجود ہے۔ اگر اس سے مراد حجاج بن ارطاة ہے تو وہ بھی ”ضعیف و مدلس“ راوی ہے۔ اسی طرح اس سند میں ابن ابی کجج ”مدلس“ بھی ہے۔ نیز علی بن موسیٰ بن طاووس حسنی راوی رافضی ہے۔ اس کی نقل کا کوئی اعتبار نہیں۔

قارئین کرام ہی فیصلہ فرمائیں کہ جس سند میں اس قدر جہالتیں اور قباحتیں موجود ہوں اور جس روایت میں رافضی عقائد جھلک رہے ہوں، اسے بطور دلیل ذکر کرنا بھلا کسی اہل سنت کو زیب دیتا ہے؟

روایت نمبر ⑥ :

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لَمَّا خَلَقَ اللَّهُ آدَمَ وَنَفَخَ فِيهِ الرُّوحَ عَطَسَ آدَمُ ، فَأَلْهَمَ أَنْ قَالَ : الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ، فَأَوْحَى إِلَيْهِ : يَا آدَمُ ! حَمَدْتَنِي ، فَوَعَزَّتِي وَجَلَّالِي ، لَوْلَا عَبْدَانِ أُرِيدُ أَنْ أَخْلُقَهُمَا فِي آخِرِ الدُّنْيَا مَا خَلَقْتُكَ .

”جب اللہ تعالیٰ نے آدم کو پیدا کیا اور ان میں روح پھونکی تو انہوں نے چھینک ماری۔ ان کو الہام ہوا کہ وہ الحمد للہ رب العالمین کہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی کہ اے آدم! تو نے میری تعریف کی ہے۔ میری عزت اور میرے جلال کی قسم! اگر میں نے دنیا کے آخر میں دو بندوں کو پیدا کرنے کا ارادہ نہ کیا ہوتا تو میں تجھے پیدا نہ کرتا۔“

(بشارة المصطفى لمحمد الطبري الرافضي، ص: ۱۱۶، ۱۱۷ الجواهر النسبية في الأحاديث القدسية للحر العاملي، ص: ۲۷۳)



تبصرہ : یہ سراسر جھوٹی روایت ہے کیونکہ :

① حسین بن حسن اشقر راوی جمہور کے نزدیک ”ضعیف“ ہے۔ اس کے

بارے میں امام بخاری رحمہ اللہ نے ”فی نظر“ فرمایا ہے۔ (التاریخ الكبير للبخاری: ۳۸۵/۲)

نیز فرماتے ہیں : عندہ مناکیر . ”یہ منکر روایات بیان کرتا ہے۔“

(التاریخ الصغير للبخاری: ۲۹۱/۲)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں : منکر الحديث ، وکان صدوقا .

”یہ تھا تو سچا لیکن روایات منکر بیان کرتا تھا۔“ (سولات ابن ہانی : ۲۳۵۸)

امام ابو زرہ رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : هو شيخ منكر الحديث .

”یہ شیخ منکر الحدیث تھا۔“ (الجرح والتعديل لابن ابی حاتم : ۵۰/۳)

امام ابو حاتم رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : ليس بقوي في الحديث .

”فن حدیث میں چنداں مضبوط نہیں۔“ (الجرح والتعديل : ۴۹/۳)

امام جوزجانی فرماتے ہیں : غال من الشتامين للخيرة .

”غالی رافضیوں اور صحابہ کرام پر سب و شتم کرنے والوں میں سے تھا۔“

(احوال الرجال للجوزجانی : ۹۰)

امام دارقطنی رحمہ اللہ (الضعفاء والمتروكين : ۱۹۵) اور امام نسائی رحمہ اللہ (الضعفاء المتروكين :

۱۴۶) نے اسے ”لیس بالقوی“ کہا ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں : وهو شيعي جلد ، وضعفه غير واحد .

”یہ کٹر شیعہ تھا۔ اسے کئی ایک محدثین کرام نے ضعیف قرار دیا ہے۔“

(البداية والنهاية لابن كثير : ۸۶/۶)

حافظ بیہقی فرماتے ہیں : وضعفه الجمهور . ”اسے جمہور محدثین

کرام نے ضعیف قرار دیا ہے۔“ (مجمع الزوائد: ۶/۸۲، ۹/۱۰۲)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی اسے ”ضعیف“ کہا ہے۔ (فتح الباری لابن حجر: ۶/۴۶۷)
حافظ سیوطی کہتے ہیں: حسین الأشقر متہم . ”حسین اشقر متہم“

بالکذب راوی ہے۔“ (ذیل الأحادیث الموضوعة، ص: ۵۸)

② اس کی سند میں سلیمان بن مہران اعمش راوی ”مدلس“ ہے۔

③ محمد بن علی بن خلف عطار سے نیچے کے سب راویوں کی توثیق ثابت نہیں ہو سکی، مثلاً عبید بن موسیٰ رویانی، ابوالحسن احمد بن محمد بن اسحاق، ابویعقوب اسحاق بن محمد بن عمران خباز، محمد بن احمد بن یوسف، ابو محمد عبد الملک بن محمد بن احمد بن یوسف، ابوسعید محمد بن احمد بن حسین نیشاپوری خراسانی، ابو نجم محمد بن عبد الوہاب بن عیسیٰ سمان رازی۔
کیا اس قدر خرابیوں کے واضح ہو جانے کے بعد بھی اس روایت کے جھوٹ ہونے میں کسی عقلمند کو کوئی شبہ رہ سکتا ہے؟

تنبیہ: روایت لولاک ما خلقت الأفلاک کو علامہ صنعانی

نے ”موضوع“ کہا ہے۔ (الموضوعات للصنعانی: ۵۱)

دنیا کی کسی کتاب میں اس کی کوئی سند نہیں مل سکی، نہ اہل سنت کی کسی کتاب میں نہ شیعہ کی کسی کتاب میں۔ اس کے باوجود بعض لوگ اس پر اپنے عقیدے کی بنیاد رکھے ہوئے ہیں۔ اسے محمد باقر مجلسی رافضی شیعہ نے اپنی کتاب بحار الأنوار (۵/۲۸، ۵۴/۱۹۹) میں ابوالحسن البکری کی کتاب کتاب الأنوار کے حوالے سے بے سند ذکر کیا ہے۔ اگر کسی کے پاس اس کی کوئی سند ہے تو ہمیں پیش کرے، ورنہ یہ بات تو طے ہے کہ بے سند روایات وہی لوگ پیش کرتے ہیں جن کی اپنی کوئی سند نہیں ہوتی۔

ہم نے اہل سنت اور روافض کی کتابوں میں موجود چھ مرفوع اور موقوف روایات پر



تبصرہ کر کے ان کا باطل ہونا آشکارا کر دیا ہے۔ اگر دنیا میں کسی کے پاس ان چھ روایات کے علاوہ کوئی اور باسند روایت ہے تو وہ پیش کرے۔

فقہ حنفی اور حدیث ”لولاک“ :

حنفی مذہب کی معتبر کتب میں لکھا ہے : وفی جواهر الفتاوی : هل يجوز أن يقال : لولا نبينا محمد صلى الله عليه وسلم لما خلق الله آدم ؟ قال : هذا شيء يذكره الوعاظ على رؤوس المنابر ، يريدون به تعظيم نبينا محمد صلى الله عليه وسلم ، والأولى أن يحترز عن مثل هذا ، فإن النبي عليه الصلاة والسلام ، وإن كان عظيم المنزلة والرتبة عند الله ، فإن لكل نبي من الأنبياء عليهم الصلاة والسلام منزلة ومرتبة ، وخاصة ليست لغيره ، فيكون كل نبي أصلا بنفسه .

”جواہر الفتاویٰ میں سوال ہے کہ کیا یہ کہنا جائز ہے کہ اگر ہمارے نبی محمد ﷺ نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ آدم علیہ السلام کو پیدا نہ کرتا؟ جواب یہ دیا گیا: یہ ایسی چیز ہے جو واعظین منبروں پر چڑھ کر بیان کرتے ہیں۔ اس سے ان کا مقصد ہمارے نبی محمد ﷺ کی تعظیم کرنا ہوتا ہے۔ بہتر یہی ہے کہ ایسی باتوں سے احتراز کیا جائے کیونکہ نبی علیہ السلام اگرچہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بلند مقام اور مرتبہ رکھتے تھے لیکن ہر نبی کو بھی ایک مقام اور مرتبہ حاصل تھا اور ہر نبی کے پاس کوئی نہ کوئی ایسی خصوصیت تھی جو دوسرے کسی کے پاس نہ تھی۔ لہذا ہر نبی کا اپنا ایک مستقل مقام ہے۔“ (الفتاوی التاتارخانیۃ : ۴۸۵/۵)

اس کے باوجود بعض لوگ ان جھوٹی روایات کو اپنے اسباب شکم پروری کو دوام بخشنے اور اکل و شرب کی دکان کو چمکانے کے لیے برسر منبر بیان کرتے ہیں۔
دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح راستے کو اپنانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!







بقی أحد الحالین خالیا عن الذکر .

”یہ حدیث پہلی ذکر کردہ احادیث سے مل کر یہ تقاضا کرتی ہے کہ ہر نمازی سمع اللہ من حمدہ اور ربنا لک الحمد دونوں کو جمع کرے۔ نیز سمع اللہ من حمدہ ایک ذکر ہے جو امام کے لیے مستحب ہے لہذا یہ مقتدی کے لیے بھی مستحب ہوگا جیسا کہ رکوع وغیرہ میں تسبیح امام بھی پڑھتا ہے اور مقتدی بھی۔ اس لیے بھی مقتدی سمع اللہ من حمدہ کہے گا کہ نماز کی بنیاد اس بات پر ہے کہ اس کا کوئی حصہ بھی ذکر سے خالی نہ ہو۔ اگر نمازی سر اٹھاتے اور سیدھا کھڑا ہوتے وقت دونوں حالتوں میں دو ذکر نہ کرے گا تو اس کی ایک حالت ذکر سے خالی رہ جائے گی۔۔۔“

(المجموع شرح المہذب للنووی: ۳/۴۲۰)

معلوم ہوا کہ جس طرح امام کی نماز ہے، اسی طرح مقتدی کی نماز ہے سوائے ان چیزوں کے جن میں کوئی استثنیٰ ثابت ہو جائے۔ سمع اللہ من حمدہ کے متعلق کوئی استثنیٰ ثابت نہیں۔ بعض لوگ محض قیاسات سے کام چلاتے ہوئے مقتدی کو ان الفاظ کی ادائیگی سے روکتے ہیں۔ ان کی دلیل ملاحظہ فرمائیں:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِذَا قَالَ الْإِمَامُ: سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، فَقُولُوا: اللَّهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ»
”جب امام سمع اللہ من حمدہ کہے تو پھر تم اللہم ربنا لک الحمد کہو۔“

(صحیح البخاری: ۷۹۶، صحیح مسلم: ۴۰۹۰)

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: «إِذَا قَالَ الْإِمَامُ: سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، فَلْيَقُلْ مَنْ وَرَاءَهُ: اللَّهُمَّ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ»
”جب امام سمع اللہ من حمدہ کہے تو اس کے مقتدی اللَّهُمَّ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ

کہیں۔“ (سنن الدارقطنی: ۱/۳۳۸، ح: ۱۲۷۱، وسندہ حسن)



سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں : إذا قال الإمام : سمع الله لمن حمده ، قال من خلفه : اللهم ربنا لك الحمد .
 ”جب امام سمع اللہ لمن حمہ کہے تو مقتدی اللہم ربنا لك الحمد کہیں۔“

(مصنف ابن أبي شيبة: ۱/۲۵۲، وسنده صحيح)

لیکن اس حدیث اور اس اثر میں مقتدی کو سمع اللہ لمن حمہ کہنے سے روکا قطعاً نہیں گیا بلکہ اس میں تو مقتدی کو ربنا ولك الحمد کہنے کا وقت اور مقام بتایا گیا ہے کہ وہ امام کے سمع اللہ لمن حمہ کہنے کے بعد ربنا ولك الحمد کہے جیسے مقتدی کو آمین کہنے کا وقت اور مقام بتانے کے لیے فرمایا گیا کہ جب امام غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو۔

(صحيح البخاري: ۷۸۲)

بعینہ یہی صورت حال اس مسئلے کی بھی ہے۔ لہذا مذکورہ حدیث و اثر سے یہ مسئلہ کشید کرنا درست نہیں کہ امام اللهم ربنا لك الحمد نہ کہے یا مقتدی سمع الله لمن حمده نہ کہے۔ حافظ نووی رحمۃ اللہ علیہ اس استدلال کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

وأما الجواب عن قوله صلى الله عليه وسلم : وإذا قال : سمع الله لمن حمده فقولوا ربنا لك الحمد ، فقال أصحابنا : فمعناه : قولوا : ربنا لك الحمد مع ما قد علمتموه من قول سمع الله لمن حمده ، وإنما خص هذا بالذكر لأنهم كانوا يسمعون جهر النبي صلى الله عليه وسلم بسمع الله لمن حمده ، فإن السنة فيه الجهر ، ولا يسمعون قوله : ربنا لك الحمد ، لأنه يأتي به سرّاً كما سبق بيانه ، وكانوا يعلمون قوله صلى الله عليه وسلم : صلوا كما رأيتموني أصلي ، مع قاعدة التأسي به صلى الله عليه وسلم مطلقاً ، وكانوا يوافقون في سمع الله لمن حمده ، فلم يحتج إلى الأمر به ، ولا يعرفون ربنا



لک الحمد ، فأمروا به ، والله أعلم .

”رہی اس فرمان نبوی کی بات کہ جب امام سمع اللہ لمن حمد کہے تو تم ربنا لک الحمد کہو تو ہمارے اصحاب کے بقول اس کا معنی یہ ہے کہ سمع اللہ لمن حمد کہنے کے بارے میں تو تمہیں معلوم ہی ہے ، ساتھ ہی ربنا لک الحمد بھی کہو۔ اس حدیث میں مقتدی کے لیے صرف ربنا لک الحمد کا ذکر اس لیے ہے کہ صحابہ کرام نبی اکرم ﷺ سے سمع اللہ لمن حمد تو سن ہی لیتے تھے کیونکہ اس بارے میں طریقہ بلند آواز کا ہے لیکن وہ ربنا لک الحمد نہیں سنتے تھے کیونکہ آپ ﷺ اسے سری طور پر پڑھتے تھے۔ صحابہ کرام کو نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان بھی معلوم تھا کہ نماز اسی طرح پڑھو جیسے تم نے مجھے پڑھتے دیکھا ہے۔ پھر وہ اس قانون سے بھی متعارف تھے کہ نبی اکرم ﷺ کی اقتدا مطلق طور پر ضروری ہے۔ ان امور کی بنا پر صحابہ کرام آپ ﷺ کے ساتھ سمع اللہ لمن حمد کہتے تھے ، لہذا اس کا حکم دینے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ ربنا لک الحمد کا انہیں علم نہیں تھا ، اس لیے اس کا حکم دے دیا گیا۔ واللہ اعلم!“

(المجموع شرح المہذب للنووي: ۴۲۰/۳)

شارح بخاری حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (۷۷۳-۸۵۲ھ) فرماتے ہیں :

استدلّ به على أنّ الإمام لا يقول : ربنا لک الحمد ، وعلى أنّ المأموم لا يقول : سمع الله لمن حمده لكون ذلك لم يذكر في هذه الرواية ، كما حكاها الطحاوی ، وهو قول مالک وأبی حنیفة ، وفيه نظر ، لأنّه ليس فيه ما يدلّ على النفي ، بل فيه أنّ قول المأموم : ربنا لک الحمد يكون عقب قول الإمام : سمع الله لمن حمده ، والواقع في التصوير ذلك لأنّ الإمام يقول التسميع في حال انتقاله والمأموم يقول التحميد في حال اعتداله ، فقوله يقع عقب قول الإمام كما في الخبر ، وهذا الموضع يقرب من مسألة التأمين كما تقدّم من أنّه لا يلزم من قوله



: إذا قال : ولا الضالين ، فقولوا : آمين ، أن الإمام لا يؤمن بعد قوله ولا الضالين ...
 ”اس حدیث سے استدلال کیا گیا ہے کہ امام رہنا لک الحمد نہیں کہے گا اور مقتدی سمع اللہ لمن حمدہ نہیں کہے گا کیونکہ اس روایت میں اس کا ذکر نہیں۔ امام طحاوی نے یہ بات نقل کی ہے۔ امام مالک اور امام ابو حنیفہ کا یہی مذہب ہے۔ لیکن یہ بات محل نظر ہے کیونکہ اس حدیث میں ایسی کوئی بات نہیں جس سے (امام کے لیے رہنا لک الحمد کی اور مقتدی کے لیے سمع اللہ لمن حمدہ کی) نفی معلوم ہو بلکہ اس حدیث میں یہ وضاحت کی گئی ہے کہ مقتدی رہنا لک الحمد اس وقت کہے جب امام سمع اللہ لمن حمدہ کہہ چکا ہو۔ حقیقت میں ہوتا بھی ایسے ہی ہے کہ امام سمع اللہ لمن حمدہ رکوع سے اٹھتے وقت کہتا ہے اور مقتدی رہنا لک الحمد اس کے سیدھا کھڑا ہونے کے وقت کہتا ہے۔ چنانچہ اس کا رہنا لک الحمد کہنا امام کے سمع اللہ لمن حمدہ کہنے کے بعد ہی واقع ہوتا ہے، یہی بات اس حدیث میں بیان ہوئی ہے۔ یہ مسئلہ آمین والے مسئلے کے قریب قریب ہے۔ یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان سے کہ جب امام غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو، یہ لازم نہیں آتا کہ امام ولا الضالین کہنے کے بعد آمین نہیں کہہ سکتا۔۔۔۔۔“ (فتح الباری لابن حجر : ۲/۲۸۳)

مزید تفصیل کے لیے دیکھیں علامہ سیوطی کی کتاب الحاوی للفتاویٰ (۳۲/۱)

ہمارے موقف کی تائید اسی حدیث کے دوسرے الفاظ سے بھی ہوتی ہے۔ ایک روایت میں رسول اللہ ﷺ کے الفاظ یہ ہیں : «إِذَا قَالَ الْإِمَامُ : سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ ، فَلْيَقُلْ مَنْ وَرَاءَهُ : سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ»

”جب امام سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو اس کے مقتدی بھی سمع اللہ لمن حمدہ کہیں۔“

(سنن الدارقطنی : ۱/۳۳۸، ح : ۱۲۷، وسندہ حسن)

اسی طرح عظیم تابعی امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ (۳۳-۱۱۰ھ) فرماتے ہیں :

إذا قال : سمع الله لمن حمده ، قال من خلفه : سمع الله لمن حمده ،



رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ . ”جب امام سمع اللہ من حمدہ کہے تو اس کے پیچھے والے لوگ یہ کہیں: سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ۔“

(مصنف ابن أبي شيبة: ۲۵۲/۱، سنن الدارقطني: ۳۴۴/۱، وسنده صحيح)

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وبہ يقول الشافعي وإسحاق .

”امام شافعی (۱۵۰-۲۰۴ھ) اور امام اسحاق بن راہویہ (۱۶۱-۲۳۸ھ) کا یہی مذہب ہے۔“

(سنن الترمذی، تحت الحديث: ۲۶۷)

اس کے برعکس امام عامر شععی رحمہ اللہ (توفی بعد: ۱۰۰ھ) فرماتے ہیں:

لا يقل القوم خلف الإمام : سمع الله لمن حمده ، ولكن ليقولوا : اللهم ربنا لكَ الحمد . ”لوگ امام کے پیچھے سمع اللہ من حمدہ نہ کہیں بلکہ وہ اللهم ربنا

لَكَ الحمد ہی کہیں۔“ (مصنف ابن أبي شيبة: ۲۲۵/۱، وسنده صحيح)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ (۱۶۴-۲۴۱ھ) کا بھی یہی مذہب ہے۔

(مسائل الإمام أحمد وإسحاق: ۸۵۲)

ہماری ذکر کردہ تحقیق کے مطابق امام عامر شععی اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا یہ اجتہاد مرجوح ہے۔ یہ دونوں ائمہ کرام اپنے اجتہاد پر ماجر اور اللہ تعالیٰ کے ہاں معذور ہیں۔ ثقہ ائمہ دین کے مرجوح اجتہادات بارے میں مسلمانوں کا یہی نظریہ ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں راہ حق اپنانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

الحاصل: احادیث کی روشنی میں صحیح اور رائج موقف یہی ہے کہ مقتدی

بھی سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ کہیں گے۔





ابوعبدالله صارم

شراب خانہ خراب اور فقہ حنفی!

شراب باجماع مسلمان حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَاجْتَنِبُوهُ﴾ (المائدة: ۹۰) ”تم اس سے بچو۔“

رسول اللہ ﷺ سے شراب کو بطور دوائی استعمال کرنے کے بارے میں سوال کیا گیا تو

آپ نے ارشاد فرمایا: وَلَكِنَّهُ دَاءٌ . ”یہ تو الٹا بیماری ہے۔“

(صحیح مسلم: ۱۶۳/۲، ح: ۱۹۸۴)

خليفة سوم سيدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

اجتنبوا الخمر ، فإنها أمّ الخبائث . ”شراب سے بچو کیونکہ یہ اُمّ

الخبائث (بیماریوں کی جڑ) ہے۔“

(سنن النسائي: ۵۶۶۹، السنن الكبرى للبيهقي: ۲۸۸/۸، وسنده صحيح)

قرآن و حدیث ، اجماع امت اور سيدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے فرمان کے خلاف

شراب خانہ خراب کو جائز قرار دینے کے لیے فقہ حنفی کا فتویٰ ملاحظہ فرمائیں:

إِنَّ مَا يَتَّخَذُ مِنَ الْحِنْطَةِ وَالشَّعِيرِ وَالْعَسَلِ وَالذَّرَةِ حَلَالٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ ،

وَلَا يَحْدُ شَارِبُهُ عِنْدَهُ ، وَإِنْ سَكَّرَ مِنْهُ . ”گندم ، جو ، شہد اور مکئی سے جو شراب

بنائی جائے وہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک حلال ہے۔ امام صاحب کے نزدیک ایسی شراب پینے

والے کو حد نہیں لگے گی، اگرچہ اس کو نشہ بھی ہو جائے۔“ (الهداية: ۴۹۶/۲)

ابوعوانہ بیان کرتے ہیں: سمعت أبا حنيفة ، وسئل عن الأشرطة ،

قال : فما سئل عن شيء منها إلا قال : حلال ، حتى سئل عن السكر ، فقال :

”میں نے امام ابوحنیفہ کو سنا، ان سے شراب کے بارے میں پوچھا گیا۔ حلال .“



ان سے شراب کی جس بھی قسم کے بارے میں پوچھا گیا، ان کا جواب یہی تھا کہ حلال ہے۔
حتیٰ کہ ان سے نشہ آور کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا: حلال ہے۔“

(تاریخ بغداد للخطیب البغدادی: ۱۳/۴۱۲، وسندہ صحیح)

جناب تقی عثمانی دیوبندی صاحب لکھتے ہیں: ”انگور کی شراب کے علاوہ دوسری
نشہ آور اشیاء کو اتنا کم پینا جس سے نشہ نہ ہو، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک قوت حاصل کرنے
کے لیے جائز ہے۔“ (تقلید کی شرعی حیثیت از تقی: ۱۰۷، ۱۰۸)

جب شراب سے ہمارے اللہ نے بچنے کا حکم دیا ہے، ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے
سراسر بیماری قرار دیا ہے، نیز خلیفہ راشد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے نزدیک وہ بیماریوں کی جڑ ہے تو
تھوڑی مقدار میں پینے کا جواز کہاں سے آگیا؟ ارباب دانش خود فیصلہ کریں کہ کیا یہ فقہ حنفی
کی طرف سے لوگوں کو شرابی بنانے کی ناکام اور مذموم سعی نہیں ہے؟ حالانکہ شراب کی خرید و
فروخت ممنوع اور حرام ہے۔ انگور وغیرہ کی شراب کو اس حکم سے مستثنیٰ قرار دینے کی کیا دلیل
ہے؟ شراب کی تو ہر قسم اور ہر مقدار حرام ہے۔ فرامین نبوی ملاحظہ فرمائیے:

سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَا أَسْكَرَ كَثِيرُهُ، فَقَلِيلُهُ حَرَامٌ» ”جس چیز کی زیادہ مقدار نشہ دے،

اس کی تھوڑی مقدار بھی حرام ہے۔“ (سنن أبی داؤد: ۳۶۸۱، سنن الترمذی: ۱۸۶۵، وقال: حسن غریب، سنن ابن ماجہ: ۳۳۹۳، وسندہ حسن)

اس حدیث کو امام ابن جارود رحمہ اللہ نے ”صحیح“ قرار دیا ہے۔

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَعَنَ اللَّهُ الْخَمْرَ، وَشَارِبَهَا، وَسَاقِيَهَا، وَبَائِعَهَا، وَمُبْتَاعَهَا،

وَعَاصِرَهَا، وَمُعْتَصِرَهَا، وَحَامِلَهَا، وَالْمَحْمُولَةَ إِلَيْهِ»



”اللہ تعالیٰ نے شراب پر اور شراب پینے والے، پلانے والے، فروخت کرنے والے، خریدنے والے، نچوڑنے والے، اٹھا کر لے جانے والے اور جس کی طرف اٹھا کر لے جائی جا رہی ہے، سب پر لعنت فرمائی ہے۔“ (سنن أبي داود: ۳۶۷۴، سنن ابن ماجه: ۳۳۸۰، وسنده حسن)

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«اجْتَنِبُوا الْخَمْرَ، فَإِنَّهُ مِفْتَاحُ كُلِّ شَرٍّ»

”شراب سے بچو کیونکہ یہ ہر برائی کی کنجی ہے۔“ (المستدرک علی الصحیحین للحاکم:

۱۶۲/۴، ح: ۷۲۳، شعب الإيمان للبيهقي: ۱۰/۵، ح: ۵۵۰۸، وسنده حسن)

اس حدیث کا راوی عمرو بن ابی عمرو جہور محدثین کرام کے نزدیک ”ثقة“ ہے۔

سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے یوں سوال کیا:

[يَا رَسُولَ اللَّهِ! إِنَّا بَارِضٌ يُصْنَعُ فِيهَا شَرَابٌ مِّنَ الْعَسَلِ، يُقَالُ لَهُ:

الْبِتْعُ، وَشَرَابٌ مِّنَ الشَّعِيرِ، يُقَالُ لَهُ: الْمَزْرُ]

”اے اللہ کے رسول! ہم ایسے علاقے میں رہتے ہیں جہاں شہد کی شراب بنائی جاتی

ہے اور اس کو بیع کا نام دیا جاتا ہے اور جو کی شراب بھی بنائی جاتی ہے اور اسے مزر کا نام دیا

جاتا ہے۔“ اس پر رسول اکرم ﷺ کا جواب یہ تھا:

«كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ» ”ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔“

(صحیح البخاری: ۶۱۲۴، صحیح مسلم: ۱۷۳۳، بعد الرقم: ۲۰۱ من حدیث أبي بردة)

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان بھی ملاحظہ فرمائیں، وہ کہتے ہیں: میں نے سیدنا عمر

بن خطاب رضی اللہ عنہ کو منبر رسول پر یہ فرماتے ہوئے سنا:

إِنَّهُ نَزَلَ تَحْرِيمُ الْخَمْرِ، وَهِيَ مِنْ خَمْسَةٍ: مِنَ الْعَنْبِ، وَالتَّمْرِ،



وَالْعَسَلِ، وَالْحِنْطَةِ، وَالشَّعِيرِ، وَالْخَمْرُ مَا خَامَرَ الْعَقْلَ]

”اما بعد، اے لوگو! بلاشبہ شراب کی حرمت نازل ہوئی تو اس وقت یہ ان پانچ چیزوں سے بنتی تھی: انگور سے، کھجور سے، شہد سے، گندم سے اور جو سے۔ جو چیز عقل کو ڈھانپ دے وہ شراب ہے۔“ (صحیح البخاری: ۴۶۱۹، صحیح مسلم: ۳۰۳۲)

ان احادیث و آثار سے یہ بات ثابت ہوئی کہ شراب کی ہر قسم اور ہر مقدار حرام ہے۔ ہر نشہ آور چیز شراب ہے اور جس مشروب کے سوگلاس نشہ کریں، اس کا ایک قطرہ بھی حرام ہے۔ جب شراب بقول رسول بیماری ہے تو اسے قوت حاصل کرنے کے لیے استعمال کرنا کیسے عقل و شعور کے مطابق ہوا؟

ان دلائل کے خلاف فقہ حنفی کا ایک اور فتویٰ ملاحظہ فرمائیں:

إِذَا شَرِبَ تِسْعَةَ أَقْدَاحٍ مِنْ نَبِيذِ التَّمْرِ فَأُوجِرَ الْعَاشِرَ، فَسُكِرَ، لَمْ يَحْدَ، لِأَنَّ السُّكْرَ يُضَافُ إِلَى مَا هُوَ أَقْرَبُ إِلَيْهِ، كَذَا فِي السَّرَاجِيَةِ .

”جب آدمی کھجور کی نبید کے نو پیالے اپنی مرضی سے پی لے، پھر دسواں پیالہ اسے دھمکا کر پلا دیا جائے اور اسے نشہ ہو جائے تو اس پر حد نافذ نہیں ہوگی کیونکہ نشہ قریبی پیالے کی طرف منسوب ہوگا۔ فتاویٰ سراجیہ میں اسی طرح ہے۔“ (فتاویٰ عالمگیری: ۵/۴۱۳)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا:

«كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ، وَمَا أَسْكَرَ مِنْهُ الْفَرْقُ، فَمِلْءُ الْكَفِّ مِنْهُ حَرَامٌ»

”ہر نشہ آور چیز حرام ہے اور جس چیز کا ایک فرق (ایک پیالہ جو دوسیر چار چھٹانک کا ہوتا ہے) نشہ کرے، اس کی ایک ہتھیلی بھر مقدار بھی حرام ہے۔“ (مسند الإمام أحمد: ۸۲/۶، سنن أبي داود: ۳۶۸۷، سنن الترمذي: ۱۸۶۶، وسنده حسن)

اس حدیث کو امام ابن جبارود (۸۶۱) اور امام ابن حبان (۵۳۸۳) نے ”صحیح“ کہا ہے۔



نویا لے شراب ڈکار جانے والے اس فرمان نبوی کو بھول گئے ہیں۔

[إِنَّ أَبَا بَكْرٍ الصَّدِيقَ
وَعُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا وَنَاسًا مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، جَلَسُوا بَعْدَ وَفَاةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ، فَذَكَرُوا أَعْظَمَ الْكِبَائِرِ، فَلَمْ يَكُنْ عِنْدَهُمْ فِيهَا عِلْمٌ، فَأَرْسَلُونِي
إِلَى عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ أَسْأَلَهُ عَنْ ذَلِكَ، فَأَخْبَرَنِي أَنَّ أَعْظَمَ
الْكِبَائِرِ شُرْبُ الْخَمْرِ، فَاتَيْتُهُمْ فَأَخْبَرْتُهُمْ، فَانْكَرُوا ذَلِكَ، وَوَثَبُوا إِلَيْهِ
جَمِيعًا، فَأَخْبَرَهُمْ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «إِنَّ مَلِكًا
مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَخَذَ رَجُلًا، فَخَيَّرَهُ بَيْنَ أَنْ يَشْرَبَ الْخَمْرَ، أَوْ يَقْتَلَ
صَبِيًّا، أَوْ يَزْنِيَ، أَوْ يَأْكُلَ لَحْمَ الْخِنْزِيرِ، أَوْ يَقْتُلُوهُ إِنْ أَبِي، فَاخْتَارَ أَنَّهُ
يَشْرَبُ الْخَمْرَ، وَأَنَّهُ لَمَّا شَرِبَ لَمْ يَمْتَنِعْ مِنْ شَيْءٍ أَرَادُوهُ مِنْهُ، وَأَنَّ
رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَنَا حِينَئِذٍ: «مَا مِنْ أَحَدٍ يَشْرَبُهَا،
فَتَقْبَلُ لَهُ صَلَاةٌ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً، وَلَا يَمُوتُ وَفِي مَثَانَتِهِ مِنْهَا شَيْءٌ إِلَّا
حُرِّمَتْ عَلَيْهِ الْجَنَّةُ، وَإِنْ مَاتَ فِي الْأَرْبَعِينَ مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً» .

”سیدنا ابوبکر صدیق اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کے بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے سب سے بڑے گناہ کے بارے میں بات چیت شروع کی۔ انہیں اس بارے میں زیادہ علم نہ تھا۔ انہوں نے مجھے سیدنا عبد اللہ بن عمرو بن عاص کی طرف بھیجا کہ میں ان سے اس بارے میں دریافت کر کے آؤں۔



سیدنا عبد اللہ بن عمرو بن عاص نے مجھے بتایا کہ سب سے بڑا گناہ شراب پینا ہے۔ میں نے آکر صحابہ کرام کو یہ بات بتائی تو انہوں نے اس کا انکار کیا اور سب کے سب جلدی سے سیدنا عبد اللہ بن عمرو بن عاص کی طرف چلے گئے۔ سیدنا عبد اللہ بن عمرو نے انہیں بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: بنی اسرائیل کے ایک بادشاہ نے ایک آدمی کو پکڑا اور اسے اختیار دیا کہ کوئی ایک کام کر لے، یا شراب پیے، یا بچے کو قتل کرے، یا زنا کرے، یا خنزیر کا گوشت کھائے، ورنہ انکار کرنے پر وہ اسے قتل کر دیں گے۔ اس نے شراب پینے کی حامی بھر لی۔ جب اس نے شراب پی لی تو اس نے وہ سارے کام بلا جھجک کر ڈالے جو وہ اس سے کروانا چاہتے تھے۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ نے ہمیں فرمایا: جو بھی شخص شراب پی لے گا، اللہ تعالیٰ چالیس دن اس کی نماز قبول نہیں کرے گا۔ اور جو بھی اس حالت میں مرے گا کہ شراب اس کے مٹانے میں ہوگی تو اس پر جنت حرام ہو جائے گی۔ اگر کوئی شراب پینے کے بعد چالیس دنوں کے اندر مر جائے گا تو وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔“

(الآحاد والمثاني لابن أبي عاصم : ٨١٠، المعجم الأوسط للطبراني : ١١٦/١ ح : ٣٦٣، المستدرک علی الصحیحین للحاکم : ١٤٧/٤ ح : ٧٢٣٦، واللفظ له، وسنده حسن)

امام حاکم رحمہ اللہ نے اس حدیث کو امام مسلم کی شرط پر ”صحیح“ کہا ہے اور حافظ منذری رحمہ اللہ نے اس کی سند کو ”صحیح“ قرار دیا ہے۔ (الترغیب والترہیب للمندری : ١٧٩/٣)

فیصلہ قارئین کرام پر ہے کہ وہ قرآن و سنت پر عمل کرتے ہوئے شراب خانہ خراب جیسی نجس و پلید چیز سے بچ جائیں گے یا فقہ حنفی پر عمل کرتے ہوئے اپنی دنیا و آخرت اپنے ہاتھوں سے برباد کریں گے۔

دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں قرآن و سنت ہی پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین!



حافظ ابو یحییٰ نور پوری

حلال جانوروں کا پیشاب پاک ہے

مستقل قارئین کرام جانتے ہیں کہ ہم گزشتہ اقساط میں صحیح احادیث، فہم سلف اور فقہائے کرام کی تصریحات کے ذریعے یہ بات واضح کر چکے ہیں کہ حلال جانوروں کا پیشاب پاک ہے۔ شریعت کی کوئی ایک دلیل بھی حلال جانوروں کے پیشاب کو ناپاک نہیں کہتی۔ بعض لوگ اس حوالے سے جو مزعومہ دلائل پیش کرتے ہیں، ان کا تجزیہ آپ کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

دلیل نمبر ۳): صفدر صاحب اپنی آخری دلیل میں لکھتے ہیں:

وفي مسند البزار عن عبادة بن الصامت : سألنا رسول الله صلى الله عليه وسلم عن البول ، فقال : إذا مسكم شيء فاعسلوه ، فإنني أظن أن منه عذاب القبر ، وإسناده حسن . نيل الأوطار (١٠٤ / ١) . (خزائن السنن : ١٥٩ / ١)

تبصرہ: ① اس روایت کی سند میں عمر بن اسحاق بن یسار ”مجهول الحال“ راوی ہے۔ اس کی توثیق کسی معتبر ذریعے سے ثابت نہیں ہو سکی۔ جس شخص کے دین اور کردار سے ہم بخوبی آگاہ نہیں، اس سے دین کا ایک اہم مسئلہ کیسے اخذ کر سکتے ہیں؟

② قاضی شوکانی جن سے صفدر صاحب نے یہ حدیث نقل کی ہے، وہ لکھتے ہیں:

والظاهر طهارة الأبول والأزبال من كل حيوان يؤكل لحمه تمسكا بالأصل ، واستصحابا للبراءة الأصلية ، والنجاسة حكم شرعي ناقل عن الحكم الذي يقتضيه الأصل والبراءة ، فلا يقبل قول مدّعيها إلا بدليل يصلح للنقل عنهما ، ولم نجد للقائلين بالنجاسة دليلا كذلك ، وغاية ما جاء وا به



حدیث صاحب القبر ، وهو مع كونه مراد به الخصوص عموم ظنی الدلالة ، لا ينتهض على معارضة تلك الأدلة المعتمدة كما سلف .

”اصل (طہارت ہے، اسے) اور براءت اصلیه کو مدنظر رکھتے ہوئے ظاہری بات یہی ہے کہ ان تمام جانوروں کے پیشاب اور گوبر پاک ہیں جن کا گوشت کھایا جاتا ہے کیونکہ نجاست ایک ایسا شرعی حکم ہے، جو چیز کو اصل اور براءت اصلیه کے مقتضی سے خارج کر دیتا ہے، لہذا نجاست کے مدعی کی بات اسی وقت قبول کی جائے گی جب وہ کوئی ایسی دلیل لائے جو اس چیز کو اصل اور براءت اصلیه دونوں سے نکال سکے۔ ہم ماکول اللحم جانوروں کے پیشاب اور گوبر کو نجس کہنے والوں کے پاس ایسی کوئی دلیل نہیں دیکھتے۔ زیادہ سے زیادہ وہ قبر والی حدیث پیش کرتے ہیں لیکن ایک تو اس سے خصوصی انسانی پیشاب مراد ہے، دوسرے اس میں عموم ظنی ہے، جو حلال جانوروں کے پیشاب کی طہارت ثابت کرنے والی زبردست دلیلوں کے مقابلے میں پیش نہیں ہو سکتا۔ (نیل الاوطار: ۴۴/۱)

بڑے افسوس کی بات ہے کہ صفدر صاحب جس سے بھی حدیث نقل کرتے ہیں، وہ اسی حدیث کے فہم میں صفدر کا ساتھ نہیں دیتا۔ کیا صفدر صاحب حدیث کو بہتر سمجھتے ہیں یا وہ لوگ جن کے ذریعے حدیث ان تک پہنچی تھی؟

دلیل نمبر ۴ : جناب انوار خورشید دیوبندی صاحب لکھتے ہیں :

[عن عمار بن یاسر ، قال : أتى عليّ رسول الله صلى الله عليه وسلم ، وأنا على بئر أدلو ماء في ركوة لي ، فقال : يا عمار ! ما تصنع ؟ قلت : يا رسول الله ! بأبي وأمي ، أغسل ثوبي من نخامة أصابته ، فقال : يا عمار ! إنما يغسل الثوب من خمس ؛ من الغائط ، والبول ، والقبيء ، والدم ، والمني ، يا عمار ! ما نخامتك ودموع عينيك والماء الذي في ركوتك إلا سواء . (دار قطني: ۱۲۷/۱)]



حضرت عمار بن یاسر فرماتے ہیں کہ میں کنویں پر اپنی چھاگل میں پانی کھینچ رہا تھا کہ میرے پاس رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور فرمایا: عمار کیا کر رہے ہو؟ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، میں اپنا کپڑا دھو رہا ہوں، اسے تھوک لگ گیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: عمار! کپڑے کو پانچ چیزیں لگ جانے کی وجہ سے دھونا چاہیے؛ پیشاپ، پاخانہ، قے، خون اور منی۔ عمار! تمہارا تھوک، تمہاری آنکھوں کے آنسو اور وہ پانی جو تمہاری چھاگل میں ہے سب برابر، یعنی پاک ہیں۔]

(حدیث اور اہلحدیث، ص: ۱۶۷-۱۶۸)

تبصرہ: ① یہ روایت سخت ترین ”ضعیف“ بلکہ موضوع (من گھڑت)

درجے کی ہے۔ خود امام دارقطنی رحمہ اللہ نے اس کے راویوں پر جرح کر رکھی ہے جو جناب دیوبندی صاحب ”دیانت علمی“ کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہضم کر گئے۔

اس روایت کے تین راوی ”ضعیف“ ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

① ثابت بن حماد۔ اس کے بارے میں:

امام دارقطنی فرماتے ہیں: ”ضعیف جدًا۔“ ”یہ سخت ضعیف راوی ہے۔“

(سنن الدار قطنی: ۱/۱۳۴)

امام ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ولثابت أحاديث يخالف فيها ، وفي

أسانيدھا الثقات ، وھی مناکیر . ”ثابت بن حماد ایسی احادیث بیان کرتا ہے

جن میں ثقات اس کی مخالفت کرتے ہیں۔ ان کی سندوں میں ثقہ راوی ہوتے ہیں لیکن وہ

منکر روایات ہوتی ہیں۔“ (الکامل لابن عدی: ۲/۹۸)

امام بیہقی رحمہ اللہ ثابت بن حماد کی اسی حدیث کو جو انوار صاحب نے پیش کی ہے، نقل

کرنے کے بعد لکھتے ہیں: هذا الحديث باطل ، لا اصل له ، ثابت بن حماد

متهم بالوضع . ”یہ حدیث باطل ہے، اس کی کوئی اصل نہیں اور ثابت بن حماد پر احادیث گھڑنے کا الزام ہے۔“ (السنن الکبریٰ للبیہقی: ۱۴/۱)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **إِنَّ هَذَا الْحَدِيثَ كَذِبٌ عِنْدَ أَهْلِ الْمَعْرِفَةِ بِالْحَدِيثِ .** ”حدیث کی معرفت رکھنے والوں کے ہاں یہ حدیث جھوٹی ہے۔“ (تنقیح التحقيق لابن عبد الهادی: ۱۳۹/۱)

ابن عبد الهادی ابو الخطاب سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: **يرويه ثابت بن حمّاد ، وأنّ أهل النقل أجمعوا على ترك حديثه .** ”اس روایت کو ثابت بن حماد بیان کرتا ہے اور محدثین کرام نے اس کی حدیث کے ترک پر اجماع کر لیا ہے۔“ (تنقیح التحقيق لابن عبد الهادی: ۱۳۹/۱)

② **ابو اسحاق ضریر ابراہیم بن زکریا۔ اس کے بارے میں:**
امام دارقطنی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ یہ ”ضعیف“ راوی ہے۔ (السنن الدار قطنی: ۱۳۴/۱)
امام ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **حدّث عن الثقات بالبواطيل .**
”یہ ثقہ راویوں سے باطل روایات بیان کرتا ہے۔“ (الکامل لابن عدی: ۲۵۶/۱)
امام ابو حاتم رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **الحديث الذي رواه منكر .**
”جو حدیث یہ بیان کرتا ہے وہ منکر ہے۔“ (كتاب الجرح والتعديل: ۱۰۱/۲)
③ **علی بن زید بن جدعان۔ اس کے بارے میں:**

امام اہل سنت، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ ”ضعیف“ راوی ہے۔
(الجرح والتعديل لابن أبي حاتم: ۱۸۶/۶، وسنده صحيح)
علامہ جوزجانی فرماتے ہیں: **واهي الحديث ، ضعيف ... لا يحتجّ بحديثه .**
”یہ حدیث میں کمزور ہے، ضعیف ہے۔۔۔ اس کی حدیث سے حجت نہیں لی جاسکتی۔“
(أحوال الرجال للجوزجاني: ۱/۱۹۴، ت: ۱۸۵)



امام ابو زرہ رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”لیس بقوی“۔ ”حدیث میں بالکل مضبوط نہیں۔“ (الجرح والتعديل لابن أبي حاتم: ۱۸۷/۶)

امام ابو حاتم رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”لیس بقوی“، یکتب حدیثہ ، ولا یحتج بہ۔ ”یہ حدیث میں کمزور ہے، اس کی حدیث لکھی تو جائے گی لیکن اس سے حجت نہیں پکڑی جاسکتی۔“ (الجرح والتعديل لابن أبي حاتم: ۱۸۷/۶)

امام ابن خزیمرہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: لا أحتج بہ لسوء حفظہ۔ ”اس کا حافظہ کمزور ہونے کی وجہ سے میں اس سے حجت نہیں لیتا۔“

(سير أعلام النبلاء للذهبي: ۵/۵۱۰، وفي نسخة: ۵/۲۰۷)

امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ بھی اسے حدیث میں کمزور بتاتے ہیں۔ (العلل للدارقطني: ۵/۳۴۶)

امام حماد بن زید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حدثنا علي بن زيد ، وكان يقلّب الأحاديث . ”ہمیں علی بن زید نے حدیثیں سنائیں ، وہ حدیثوں کو الٹ پلٹ کر دیتا تھا۔“ (تاریخ ابن عساکر: ۴۱/۴۹۶، وسندہ حسن)

حافظ بیہقی کہتے ہیں: وضعفه الجمهور . ”اسے جمہور محدثین کرام نے ضعیف قرار دیا ہے۔“ (مجمع الزوائد: ۸/۲۰۶، ۲۰۹)

حافظ ابن العزاقی بھی یہی کہتے ہیں۔ (طرح الشریب: ۱/۸۲)

حافظ ابن الملقن کہتے ہیں: وادّعی عبد الحقّ أنّ الأكثر علی تضعیف علی بن زید . ”اور عبد الحق نے دعویٰ کیا ہے کہ اکثر محدثین علی بن زید کو ضعیف قرار دیتے ہیں۔“ (البدر المنیر: ۴/۴۳۴)

قارئین! ملاحظہ فرمایا آپ نے کہ آل دیوبند کے دلائل کتنے پختہ ہیں! اس کے باوجود جناب انوار خورشید دیوبندی صاحب اپنی سعی لا حاصل ”حدیث اور اہلحدیث“ میں لکھتے ہیں:

① جو صاحب جواب لکھیں اگر وہ اس کتاب میں مذکور احادیث پر جرح کریں

تو جرح مفسر کریں اور جرح کا ایسا سبب بیان کریں جو متفق علیہ ہو نیز جرح فاحح ہونا چاہیے نہ کہ متعصب، اس چیز کا خاص خیال رکھیں کہ کوئی ایسی جرح نہ ہو جو بخاری و مسلم کے راویوں پر ہو چکی ہو۔

② جو صاحب جواب لکھیں وہ تدلیس، ارسال، جہالت، ستارت جیسی جرحیں نہ کریں، کیونکہ اس قسم کی جرحیں متابعت اور شواہد سے ختم ہو جاتی ہیں، اور متابع و شواہد اس کتاب میں پہلے ہی کثرت سے ذکر کر دیئے گئے ہیں، ان باتوں کو ملحوظ رکھ کر جواب دیا جائے گا، وہ یقیناً دو خور اعتناء سمجھا جائے گا ورنہ بے جا اور فضول باتوں سے ہمیں کوئی سروکار نہ ہوگا۔ (حدیث اور اہل حدیث: سخن گفتی، ص: ۴)

اب انوار صاحب سے گزارش ہے کہ وہ ان تینوں راویوں پر جرح کا مطالعہ کریں اور کسی راوی پر ہماری جرح کو غیر مضمر ثابت کر دیں۔ جرح کے ان تمام اسباب کو مختلف فیہ ثابت کر دیں، نیز ایڑی چوٹی کا زور لگا کر ان جارحین کو متعصب ثابت کر دیں، یعنی کسی ایک جارح پر ہاتھ رکھ کر کہہ دیں کہ اس جرح میں اس نے تعصب سے کام لیا ہے۔ اگر نہیں اور ہرگز نہیں تو مان لیں کہ ہمارے مذہب کا دار و مدار ہی ”ضعیف و منکر“ روایات یا محض تاویلات باطلہ پر ہے۔

پھر یہ بھی کہ انوار صاحب یہ ثابت کریں کہ ہم نے ان تینوں راویوں میں سے کسی پر تدلیس، ارسال، جہالت یا ستارت کی جرح کی ہو، ورنہ مان لیں کہ مذکورہ راویوں پر جرح متابعت و شواہد سے ختم نہیں ہوگی۔ محدثین اس حدیث کو بے اصل، باطل اور جھوٹ قرار دے رہے ہیں اور انوار صاحب اپنے تقلیدی مذہب کو ثابت کرنے کے لیے اسے اپنی کتاب میں ذکر کر رہے ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس بے اصل روایت میں بھی حلال جانوروں کے پیشاب کی کوئی تصریح نہیں جبکہ ہم ثابت کر آئے ہیں کہ صحیح و صریح احادیث اور محدثین کی تصریحات

کے مطابق حلال جانوروں کا پیشاب پاک ہے اور وہ پیشاب سے وعید والی احادیث کے عموم میں داخل نہیں، لہذا اس مسئلے میں کوئی صریح حدیث ہی قابل التفات ہو سکتی ہے۔

دلیل نمبر ⑤ : جناب محمد تقی عثمانی دیوبندی صاحب لکھتے ہیں :

”حنفیہ کا دوسرا استدلال مسند احمد میں حضرت سعد بن معاذ کی وفات کے واقعہ سے ہے جس میں آتا ہے کہ دفن کے بعد انہیں قبر نے زور سے بھینچا اور دبایا۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے یہ خبر دینے کے بعد فرمایا کہ یہ ان کے عدم تحرز عن البول (پیشاب سے نہ بچنے) کی وجہ سے تھا۔“ (درس ترمذی از تقی عثمانی: ۲۹۰/۱)

تبصرہ: ① مسند احمد کی روایت میں ایک راوی محمود بن عبد الرحمن بن عمرو بن جموح ہے۔ اس حدیث سے دلیل لینے والے دیوبندی بھائیوں سے گزارش ہے کہ ذرا اس راوی کے حالات تو تلاش کریں اور اس کی عدالت ثابت کریں، نیز اس روایت میں وہی محمد بن اسحاق راوی ہے جسے بقول جناب صفدر صاحب ۹۰ فیصد محدثین نے ”ضعیف“ کہا ہے۔

جناب صفدر صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ: ”شاید ہی جرح کا کوئی ادنیٰ سے اعلیٰ تک ایسا لفظ ملے گا جو جمہور محدثین اور ارباب جرح و تعدیل نے محمد بن اسحاق کے بارے میں نہ کہا ہو۔“ (احسن الکلام: ۸۰/۲)

اور یہ وہی راوی ہے جس کی کئی روایات فقہ حنفی کے پر نچے اڑاتی ہیں، وہاں اس کی جرح پر صفحات کالے کئے جاتے ہیں لیکن یہاں دیوبندی بڑے شوق سے اپنی نام نہاد فقہ کو بچانے کے لیے اسی کی روایات پیش کرتے ہیں۔ کیا یہ انصاف ہے؟

جناب تقی اور ناموس صحابہ کرام!

جناب تقی عثمانی صاحب سے سوال ہے کہ اس غیر ثابت شدہ روایت کو پیش کرنے



سے آپ کو کیا فائدہ ہوا؟ اس سے ان کی نام نہاد فقہ تو رسوائی سے نہیں بچ سکی، ہاں یہ ضرور ہوا کہ ایک جلیل القدر صحابی سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے بارے میں بدظنی پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ خدا نخواستہ کسی صحابی کے بارے میں کوئی ایسی بات باسند صحیح ثابت بھی ہو جائے تو مسلمانوں کو کسی نہ کسی طریقے سے صحابہ کا دفاع ہی کرنا چاہیے، نہ کہ ”ضعیف“ روایات پیش کر کے صحابہ کے بارے میں ایسی بدگمانیاں شائع کی جائیں۔

② رہی یہ بات کہ ایک روایت میں عذاب قبر کی وجہ یہ بیان ہوئی ہے کہ سیدنا (نعوذ باللہ!) سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ پیشاب کے چھینٹوں سے احتراز نہیں کرتے تھے تو:

اولاً: ایسی تمام روایات ”ضعیف“ ہیں، طبقات ابن سعد کی روایت کو خود ظفر احمد تھانوی دیوبندی صاحب ”مرسل“ قرار دے چکے ہیں اور ”مرسل“ جمہور محدثین کے ہاں ”ضعیف“ ہوتی ہے۔ نیز اس کی سند میں ایک راوی ابو معشر نامی ہے، جسے امام بخاری رحمہ اللہ ”منکر الحدیث“ کہتے ہیں۔ امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ اسے ”ضعیف“ قرار دیتے ہیں۔ دیگر کئی ائمہ کرام نے بھی اس پر جرح کی ہے۔ لہذا جناب ظفر احمد تھانوی دیوبندی صاحب کا اس کی سند کو ”حسن“ کہنا جہالت یا ضد پر مبنی ہے۔

③ خود جناب ظفر احمد تھانوی صاحب لکھتے ہیں: ولکن لیس فیہ ذکر الغنم و نحوہ . ”لیکن اس حدیث میں بکریوں وغیرہ کا ذکر نہیں۔“

(اعلاء السنن لظفر أحمد: ۱/۴۴)

جب اس باطل روایت میں بھی حلال جانوروں کے پیشاب کے نجس اور عذاب قبر کا سبب ہونے کا ذکر نہیں تو جناب تقی عثمانی صاحب کو صحابہ کرام کے بارے میں بے حقیقت و غلط باتیں شائع کرنے سے کتنے نوافل کا ثواب ہوا؟

لطیفہ: جناب ظفر احمد تھانوی دیوبندی صاحب رقمطراز ہیں:



ولكن لا يظنّ بسعد أنّه كان لا يستنزه من بول نفسه ، لكونه نجسا بالاتفاق .
 ”لیکن سعد رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ نہیں سوچا جاسکتا کہ وہ اپنے پیشاب سے نہیں بچتے تھے، کیونکہ انسانی پیشاب تو بالاتفاق نجس ہے۔“ (اعلاء السنن : ۴۹/۱)
 یعنی انسانی پیشاب تو بالاتفاق نجس تھا، اس میں صحابہ کرام میں سے کسی کو اختلاف نہ تھا، البتہ جس پیشاب کا ذکر مذکورہ روایت میں ہے، وہ حلال جانوروں کا پیشاب تھا کیونکہ اسی کے بارے میں اختلاف تھا اور ہے۔

قارئین! ذرا غور فرمائیں گے تو معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اہل باطل کے قلم سے ان کے نہ چاہتے ہوئے بھی سچ نکلوا ہی دیتا ہے۔ تھانوی صاحب کی اس عبارت سے صاف طور پر ثابت ہو رہا ہے کہ ان کے نزدیک حلال جانوروں کا پیشاب بالاتفاق نجس نہیں تھا، اسی لئے تو سعد رضی اللہ عنہ اس سے کما حقہ نہ بچ سکے۔ اہل حدیث اور محدثین کے ہاں تو حلال جانوروں کا پیشاب صحابہ کرام کے نزدیک بالاتفاق پاک تھا۔ لیکن اب دیوبندی بھائیوں سے ہمارا سوال ہے کہ اگر بالفرض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین حلال جانوروں کا پیشاب نجس ہونے میں اختلاف تھا تو لازمی بات ہے کہ بعض اسے پاک اور بعض ناپاک سمجھتے ہوں گے، لہذا ان کے اپنے اقرار کے مطابق صحابہ کرام میں بھی حلال جانوروں کے پیشاب کو پاک سمجھنے والے موجود تھے۔ سعد رضی اللہ عنہ کے بارے میں انہوں نے خود ہی لکھ دیا ہے کہ وہ ایسا ہی سمجھتے تھے، اب ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ وہ کسی ایک ایسے صحابی کا نام بتا دیں جس سے باسند صحیح حلال جانوروں کے پیشاب کو ناپاک کہنا ثابت ہو!!

دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں حق کو سمجھنے اور اس پر ڈٹ جانے کی توفیق عطا فرمائے۔

جاری ہے.....

آمین!



سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے منسوب ایک جھوٹ!

ابوالحسن محمدی

علامہ ابو الفتح محمد بن عبد الکریم بن احمد شہرستانی (م: ۵۲۸ھ) ایک رافضی کذاب ابراہیم بن یسار ابن ہانی النظام کے حالات لکھتے ہوئے اس کی بدعقیدگی کے پول بھی کھولتے ہیں۔ اس کا ایک جھوٹ علامہ شہرستانی نے یوں بیان کیا ہے کہ اس رافضی کذاب نے کہا:

إنَّ عمر ضرب بطن فاطمة يوم البيعة حتى أَلقت الجنين من بطنها ، و كان يصيح : أحرقوا دارها بمن فيها ، وما كان في الدار غير عليّ و فاطمة و الحسن و الحسين عليهم السلام . ”(سیدنا) عمر (رضی اللہ عنہ) نے بیعت والے دن سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پیٹ پر مارا اور ان کے پیٹ کا بچہ گر گیا۔ عمر (رضی اللہ عنہ) پکار کر کہہ رہے تھے کہ اس (سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا) کے گھر کو گھر والوں سمیت جلا دو۔ گھر میں سوائے سیدنا علی، سیدہ فاطمہ، سیدنا حسن اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہم کے کوئی نہ تھا۔“

(الملل والنحل للشہرستانی: ۵۷/۱، الوافی بالوفیات للصفتی (م: ۷۶۴ھ): ۳۴۷/۵)

رافضی شیعہ اس روایت کو بنیاد بنا کر خلیفہ راشد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ پر تبرہ بازی کرتے ہیں، لیکن اس روایت کی نہ تو ابراہیم بن یسار تک کوئی سند مذکور ہے نہ ابراہیم سے آگے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ تک کوئی سند دنیا کی کسی کتاب میں موجود ہے۔ یہ روایت دنیا کا سفید جھوٹ اور شیطان لعین کی کارستانی ہے۔ اس طرح کی جھوٹی بے سند اور بے سرو پا روایات سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف پراپیگنڈہ کرنا ناقابت اندیشی ہے۔

ابراہیم بن یسار ابن ہانی النظام گندے عقیدے کا حامل تھا اور یونانی فلسفے سے بہت متاثر تھا۔ معتزلی مذہب رکھتا تھا اور اس کے نام پر فرقہ نظامیہ نے جنم لیا۔



حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ (۶۷۳-۷۴۸ھ) نے احمد بن محمد بن ابی دارم ابو بکر کوفی (م: ۳۵۱ھ) کے ترجمہ میں ابو الحسن محمد بن احمد بن حماد بن سفیان کوفی حافظ (م: ۳۸۴ھ) کے حوالے سے اس کے بارے میں لکھا ہے:

كان مستقيم الأمر عامة دهره ، ثم في آخر أيامه كان أكثر ما يقرأ عليه المثالب ، حضرته ورجل يقرأ عليه : إن عمر رفس فاطمة حتى أسقطت بمحسن .
”وہ ساری عمر درست نظریے اور عقیدے پر رہا ، لیکن اس کی عمر کے آخری دور میں اس کے پاس عام طور پر صحابہ کرام کے خلاف ہرزہ سرائیاں ہی پڑھی جاتی تھیں۔ میں ایک دن اس کے پاس آیا تو ایک آدمی اس کے پاس یہ روایت پڑھ رہا تھا کہ عمر رضی اللہ عنہ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا پر ظلم کیا حتیٰ کہ ان کے پیٹ کا بچہ گر گیا۔“

(میزان الاعتدال للذہبی: ۱/۱۳۹، ت: ۵۵۲، أحمد بن محمد بن السري)

یاد رہے کہ حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس ابن ابی دارم کے بارے میں لکھا ہے:

الرافضي الكذاب . ”یہ رافضی اور سخت جھوٹا آدمی تھا۔“

(میزان الاعتدال للذہبی: ۱/۱۳۹)

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ اس کے بارے میں فرماتے ہیں: رافضي ، غير ثقة .
”یہ شخص رافضی اور غیر معتبر تھا۔“ (أبضا)

وہ شخص شیطان ہی ہو سکتا ہے جو اس جھوٹے رافضی کے پاس جھوٹ پڑھ رہا تھا۔ دنیا میں اس کی کوئی سند موجود نہیں ، نہ رافضیوں کی کتب میں نہ اہل سنت کی کتب میں۔ رافضی شیعوں کو چاہیے کہ وہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب اس جھوٹ کی سند پیش کریں ، ورنہ توبہ کر لیں ، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی پکڑ بہت سخت ہے اور اس کا عذاب بہت دردناک ہے۔

